بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

اسلام کا نظام طلاق اور اس کی قسمیں

نظام طلاق اور اس کی قسموں سے متعلق گفتگو کرنے سے قبل اس کی ضرورت اور پسِ منظر پر ایک نظر ڈالنا ضروری ہے۔

حضرات:

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ انسانی سوسائٹی کی بنیاد مرد وزن کے تعلق پر ہے، اور پاکیزہ سماج کی تشکیل نکاح جیسے پاک اور پائیدار رشتہ سے مربوط ہے۔ اسلامی نقطہ نظر سے مرد وزن کے درمیان کا وہ رشتہ جو پاکیزہ اور پائیدار جذبہ سے قائم ہو نکاح کہلاتا ہے، جو انسان کی جنسی خواہشات کی تسکین کے علاوہ صالح معاشرہ کی خاطر وجود میں لایا جاتا ہے تاکہ فرد اور سماج دونوں خوش گوار زندگی گزار سکیں اور پاکیزہ بنیادوں پر انسانی آبادی نشو نما پا سکے۔ یہ ایک ایسی ضرورت ہے جسکو دنیا کا کوئی مذہب اور قانون نظر انداز نہیں کر سکتا، یہی وجہ ہے کہ دنیا کے ہر مذہب وقانون اور انسانی آبادی کے ہر مہذب سماج نے اس کا ایک ایسا نظام پیش کیا ہے اور انسانی سوسائٹی کو بہتر شکل دینے کی ہر ممکن کوشش کی ہے، یہ کہتے ہیں کہ کوئی حرج نہیں کہ اسلام نے مرد وزن کے درمیان اس رشتے کو پاکیزہ اور پائیدار بنانے کے لئے جو نظام پیش کیا ہے، اسے حقیقت کی عینک سے دیکھا جائے تو بلاشبہ قانون واخلاق کے ہر پیمانہ میں یہ نمایا خصوصیت اور انفرادی حیثیت رکھتا ہے، جس میں پاکیزگی بھی ہے اور پائیداری بھی ہے قانونی فطرت سے ہماہنگی بھی ہے اور وسعت و لچک بھی جو کسی نظام کی پائیداری اور بہتری کے لئے بنیادی عناصر ہیں۔

حضرات:

مرد وعورت کے درمیان خوشگوار زندگی گزارنے کے اس پاکیزہ اور پائیدار نظام کے باوجود انکے درمیان کبھی کبھی مزاجی ہماہنگی نہ ہونے اور معاشی وسماجی ناہموار ہونے کی وجہ سے ایسی تلخیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کے ہوتے ہوئے دونوں کا ایک ساتھ نباہ دشوار ہوجاتا ہے ، اور زندگی بے کیفی اور انتشار کا شکار ہوجاتی ہے اور بسا اوقات دونوں کے لے جدائی ہی میں راحت اور بہتری معلوم ہوتی ہے، مذہب اسلام نے اس پس منظر اور ضرورت کو سامنے رکھتے ہوئے اس کا حل نظام طلاق کی شکل میں پیش کیا ہے، جس میں فریقین کے حالات کے اعتبار سے مختلف شکلیں بھی پیش کی ہیں ، جو شرع اسلامی کی تعبیر میں طلاق، خلع، فسخ، اور تفریق سے معروف ہیں، آگے ہم نظام طلاق اور اس کی اقسام پر آج کی مجلس میں مختصر گفتگو کریں گے، لیکن اس سے قبل اختصارا یہ ذکر کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ اسلام نے زوجین کے درمیان پیدا ہونے والی تلخی اور نفرت کو دور کرنے کی تدابیر اختیار کرنے کی تعلیم دی ہے اولا شوہر کو یہ تعلیم دی ہے کہ زوجین کے درمیان جب تلخی پیدا ہو اور اللہ کے قائم کردہ حدود واحکام پامال ہونے کا اندیشہ ہو تو بیوی کو افہام وتفہیم اور وعظ ونصیحت کے ذریعہ راہ راست پر لانے کی کوشش کرے اگر یہ کوشش کارگر نہ ہو۔

تو بستر علیحدہ کر کے اپنی ناراضگی جتا کر اصلاح کرے، اگر یہ بھی تدبیر کام نہ آئے تو ہلکی مار پیٹ سے کام لے:

﴿والّٰتی تَخافُونَ نُشوزَهُنّ فَعِظُوهُنَّ وَاهجُرُوهُنَّ فِی المَضَاجِعِ وَاضرِبُوهُنَّ فَاِن اَطعَنَکُم فَلَا تَبغُوا عَلَیهِنَّ سَبِیلًا اِنَّ اللّٰہَ کَانَ عَلِیًّا کَبِیرًا﴾ (سورۃ النساء : ٣٤)

اگر یہ ساری تدبیریں ناکام ہوجائیں اور زوجین کے ہاتھ سے معاملہ نکل جائے تو اسلام نے دوسرا طریقہ دونوں خاندان کے سمجھدار افراد کے ذریعہ ثالثی کے طور پر فریقین کے درمیان کی دوری ختم کر کے اتحاد کی صورت پیدا کرنے کی تعلیم دی ہے، فرمانِ خداوندی ہے:

وَاِن خِفتُم شِقَاق بینهما فابعثوا حکما من اهله و حکما من اهلها، ان یریدا اصلاحا یوفق الله بینهما ان الله کان علیما خبیرا

﴾(سورة النساء آیت نمبر۳۵)

خدانخواستہ اگر یہ تدبیر بھی ناکام ہوجائے اور خود فریقین ،خاندان کے افراد اور سماج دونون کی جدائی میں خیر سمجھتے ہیں تو اس مجبوری میں طلاق کی ضرورت پیش آجاتی ہے،اسلام نے اس ضرورت کو دیکھتے ہوئے دونوں کے بہتر مستقبل کی خاطر طلاق جیسے ناپسندیدہ طریقے کو اختیار کرنے کی اجازت دی ہے، یہ ایک ضرورت اور مشکل کا حل ہے نہ کہ کوئی پسندیدہ عمل۔

پیغمبرِ اسلام آنحضرت ﷺ نے طلاق کی اجازت کے ساتھ ناپسندیدگی کا بھی اظہار فرمایا ہے،حضرت عبداللہ بن عمرؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشادفرمایا''أبغض الحلال الی الله الطلاق''

ترجمہ:۔حلال چیزوں میں اللہ تعالیٰ کو سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے،(ابنِ ماجہ ۱/ص۶۵۰)

حضرت محارب بن دثار سے مروی ہے کہ''ما أحل الله شيئا ابغض اليه من الطلاق ''(سنن ابوداوٗد باب کراھیۃ الطلاق،ج۱/ص۵۲۶)

ترجمہ:۔اللہ تعالیٰ جن چیزون کی اجازت دی ہے اس میں اللہ کے نزدیک طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ کوئی عمل نہیں۔

آپ ﷺ نے ارشادفرمایا کہ: جوعورت نافرمانی کرتے ہوئے اپنے شوہر سے خُلع طلب کرے تو اس پر اللہ فرشتے اور تمام لوگوں کی لعنت ہو:

أيما امرأة اختلعت من زوجهابغير نشوز فعليها لعنةالله والملائكة والناس اجمعين (مرقاةشرح مشكوة ۵/۲۳۷)

حضرت ثوبانؓ سے مروی ابن ماجہ نے روایت کی ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

''أيما امرأةسألت زوجهاالطلاق من غير ما بأس حرام عليها رائحةالجنة''(ابن ماجه ۱/۲۶۶)

ان تمام ارشادات نبوی سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اسلام کی نگاہ میں طلاق فی نفسہ کوئی پسندیدہ عمل نہیں ہے اسی لئے فقہاءِ اسلام نے یہ صراحت کی ہے طلاق بنیادی طور پر بلاضرورت ممنوع ہے اور بوقت ضرورت مشروع یعنی جائز ہے۔حنفی فقیہ علامہ علاءالدین کاسانی فرماتے ہیں:

ان النكاح عقد مسنون فكان الطلاق قطعاللسنةوتفويتاللواجب(فكان الأصل الخطروالكراهة،لانه رخص للتأديب أولتخليص ،بدائع الصنائع۳/ ص۹۰)

نکاح عقد مسنون ہے،طلاق اس سنت کو ختم کرنے اور واجب کو فوت کرنے کا سبب ہے،لہذااصلاً یہ ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔فقہ حنفی کے مسائل کا مشہور مجموعہ فتاوی ھندیہ میں فقہاء کی رائے درج ہے:

''اماوصفه (الطلاق)فهوأنه مخطور نظرالى الأصل ومباح نظراالى الحاجة۔(الفتاوى الهنديه،ج۱،ص:۱۴۵)

یعنی (طلاق اصل کے اعتبار سے ممنوع اور ضرورت کی بنا پر جائز ہے،ان کے علاوہ دیگر بے شمار فقہاء نے یہی صراحت کی ہے کہ طلاق اصلاً ممنوع ہے،لیکن جب ازدواجی زندگی کا رشتہ قائم رکھنا دشوار ہوجائے اور نکاح کے مقاصد فوت ہوجائیں تب اس کی اجازت ہوگی اور کسی معقول سبب کے بغیر اگر طلاق دی گئی تو اگرچہ یہ واقع ہوجائے گی،لیکن طلاق دینے والے مرد یا بلاوجہ طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت گنہگار ہوگی۔

غرض کہ طلاق اسلام کی نظر میں اگرچہ ایک ناپسندیدہ عمل ہے لیکن بسا اوقات یہ ایک خاندانی اور سماجی ضرورت بن جاتی ہے جسکی وجہ سے بوقت ضرورت اسکے جواز کو تسلیم کیا ہے اور اس کا ایک وسیع و مکمل نظام ضرورت مند دنیا کے سامنے رکھا ہے۔

ذیل میں اس نظام اور اس کی اقسام کا ایک مختصر خاکہ پیش کیا جارہا ہے۔ملاحظہ فرمائیں،

حضرات:

نظام طلاق کے سلسلے میں سب سے پہلے ہم اس کی وہ تعریف پیش کررہے ہیں جس کو اسلامی فقہ وقانون کے ماہرین نے زیادہ جامع تسلیم کیا ہے اور پسند بھی کیا ہے۔

تعریف:۔شوہر کی جانب سے براہ راست یا بذریعہ وکیل مخصوص الفاظ میں صراحۃ یا کنایۃ فوراً یا ایک وقفہ کے بعد رشتۂ نکاح کو ختم کر دینے کا نام طلاق ہے، فقہ حنفی کے مشہور محقق ابن ہمام فرماتے ہیں:

”و فی الشرع رفع قید النکاحِ بلفظ مخصوص أو بکنایة وغیرهما کقول القاضی“فتح القدیر لابن همام ۳/ص ۲۱

علامہ ابن نجیم مصری کے الفاظ ہیں:

رفع قیدالنکاح حالا اومآلا بلفظ مخصوص۔البحر الرائق۳/۲۵۳

علامہ حصکفی کے الفاظ ہیں:

رفع قیدالنکاح فی الحال بالبائن اوالمآل با لرجعی بلفظ مخصوص (الدر المختارمع رد المحتار۲/۴۲۶

اور فقہاء نے تقریباً انہی الفاظ میں طلاق کی تعریف کی ہے۔

ماضی قریب کے ماہر قانون وفقہ اسلامی کے اسکالر ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے طلاق کی جو تعریف اپنی مشہور کتاب مجموعہ قوانین اسلام میں کی ہے وہ مختلف مکاتب فقہ کے فقہاء کی تعریفات کو اپنے اندر سموئے ہوئے ہے ہم اس کو یہاں نقل کرنا بے حد مفید سمجھتے ہیں:

شوہر کی جانب سے ”اِصالتاً یا وکالتاً یا تفویضاً مخصوص الفاظ کے ساتھ یا بالکنایہ فی الفور یا بالنتیجہ“ رشتۂ ازدواج ختم کرنے کا نام طلاق ہے، (مجموعہ قوانین اسلام جلد دوم/ ۳۵۷، دفعہ نمبر۹۳)

ڈاکٹر موصوف نے جو خود فقہ وقانون کے ماہر ہیں جو الفاظ وتغیرات طلاق کی تعریف میں درج کئے ہیں طلاق کے مفہوم کا پوری طرح احاطہ کرتے ہیں، اسلئے ناچیز کے نزدیک یہ تعریف قابل ترجیح اور لائق اخذ ہے،

رکن طلاق:

طلاق کی تعریف کے بعد اسکی بنیاد یعنی رکن طلاق واضح کرنا ضروری ہے، فقہ اسلامی کے ماہرین کی رائے ہے۔

طلاق کا مفہوم رکھنے والے مخصوص الفاظ میں سے کسی لفظ کا زبان سے ادا کرنا یا لکھ دینا رکن طلاق ہے، محض طلاق کا خیال کرنے یا دل ہی دل میں طلاق دینے سے طلاق واقع نہیں ہوگی، مشہور فقیہ علامہ حصکفی لکھتے ہیں: ورکنہ لفظ مخصوص خال عن الاستثناء: علامہ ابن عابدین شرح کرتے ہوئے فرماتے ہیں:

(قوله ورکنه لفظ مخصوص)هو ما جعل دلا لة علی معنی الطلاق مِن صریح أو کنایة:(الدرالمختار مع رد المحتار۲/۵۷۴)۔

یہاں لفظ مخصوص سے مراد وہ لفظ ہے جو صراحۃ یا کنایۃ طلاق کے معنی پر دلالت کرے۔

صیغہ یا الفاظ طلاق:

رکن طلاق چونکہ تلفظ ہے اور یہ تلفظ عربی یا غیر عربی زبان میں بھی ہوسکتا ہے، خواہ زبان سے ادا کرکے ہو یا تحریر یا اشارہ سے۔

لفظ صریح اور اس کا حکم:

زبان یا تحریر سے طلاق کے لئے جو الفاظ استعمال ہوں وہ صریح بھی ہوسکتے ہیں اور کنایہ بھی صریح وہ لفظ ہے جس کی مراد ظاہر ہو اور عرف میں اس کا غالب استعمال طلاق کے لئے ہو، جیسے ” أنت طالق و أنت مطلقة“، ” الطلاق الصریح هو اللفظ الذی ظهر المراد منه وغلب استعمالهُ عرفاً فی الطلاق “ الفقہ الاِ سلامی وادلتہ ۷/۶۸۹۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص لفظ طلاق کے علاوہ کسی ایسے لفظ سے طلاق دے جو اس زبان میں طلاق کے مخصوص ہو تو وہ بھی صریح طلاق کے حکم میں ہوگا۔ طلاق صریح کا حکم یہ ہوتا ہے کہ اس میں طلاق واقع ہونے کے لئے نیت کی ضرورت نہیں ہوتی بلکہ بلانیت بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے،" یقع الطلاق باللفظ بدون حاجة إلیٰ نية أو دالة حال "حوالہ سابق رص ۶۸۹۹۔

لفظ کنایہ اور اس کا حکم:

ہر وہ لفظ جس میں طلاق اور اس کے علاوہ دیگر معنی کا احتمال ہو اور لوگوں کے عرف میں معنی طلاق کے لئے معروف نہ ہو۔ مثلاً کوئی اپنی بیوی سے کہے: اخرجي (نکل جاؤ) اذهبي (چلی جاؤ)، امرك بيدك ،تیرا معاملہ تیرے ہاتھ میں ہے یہ اور اس قسم کے الفاظ کنایہ کے دائرے میں آتے ہیں۔ "كل لفظ يحتمل الطلاق وغيره ولم يتعارفه الناس في ارادة الطلاق ـ مثل قول الرجل لزوجته: الحقي بأهلكِ، اخرجي، اذهبي وامرك بيدك" الفقہ الاسلامی وأدلتہ ۷/ ۶۸۹۹

اس کا حکم یہ ہے کہ ان الفاظ سے طلاق کا حکم اس وقت لگایا جائے گا جبکہ ان کا استعمال طلاق کی نیت سے ہو یا دلالت حال یا طلاق کا تذکرہ ہو۔ حوالہ سابق ص (۶۹۰۰)۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ طلاق بالکنایہ کے الفاظ طلاق کے لئے مخصوص نہیں ہوتے مگر وہ الفاظ اپنے اندر معنی کے اعتبار سے یہ احتمال ضرور رکھتے ہیں کہ انہیں طلاق کے لئے استعمال کیا جائے اور قرائن کے ساتھ ان سے طلاق مراد لی جائے، اگر طلاق دینے والا اس لفظ سے طلاق کی نیت کرے گا تو طلاق واقع ہوگی ورنہ نہیں۔

لفظ کنایہ سے طلاق دیانۃً واقع ہوتی ہے

یہاں یہ وضاحت ضروری ہے کہ طلاق بالکنایہ دیانۃً واقع ہوتی ہے یعنی طلاق دہندہ کا قول بندہ اور خدا کے درمیان معتبر ہوتا ہے قضاءً واقع ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ قاضی زوجین کے حالات کی تحقیق کرے اور قرائن کا جائزہ لے کر حکم طلاق نافذ کرے۔ اس موضوع پر صاحب بدائع الصنائع امام کاسانیؒ نے بڑی عمدہ بحث اور تفصیلی گفتگو فرمائی ہے، موصوف کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ کنایہ الفاظ استعمال کرتے وقت زوجین حسب ذیل حالتوں میں سے کسی ایک حالت میں ہوں گے۔ (۱) رضامندی کی حالت یعنی وہ الفاظ کنایہ رضامندی کی حالت میں کہے گئے ہوں (۲) غصے یا جھگڑے کی حالت یعنی وہ الفاظ کنایہ جب کہے گئے ہوں تو کسی بات پر باہم تکرار ہو رہی ہو (۳) یا باہم طلاق کا تکرار ہو رہا ہو۔

لہٰذا اگر رضامندی کی حالت ہے تو تمام الفاظ کنایہ میں عدم نیت کی صورت میں دیانۃً یا قضاءً کسی طرح بھی طلاق واقع نہ ہوگی۔ البتہ دوسری دو حالتوں میں حالات وقرائن اور شواہد کے لحاظ سے بعض الفاظ کنایہ سے قضاء وقوع طلاق کا حکم دیا جا سکتا ہے۔ علامہ موصوف کے الفاظ ہیں:

وهل يدين في القضاء فالحال لا يخلو إما أن كا نت حالة الرضا وابتداء الزوج بالطلاق وأما إذا كانت حالة مذاكرة الطلاق وسوأله وإما ان كانت حالة الغضب والخصومة فاذا كانت حالة الرضاء (وابتدأ الزوج بالطلاق) يدين في القضاء في جميع الالفاظ لما ذكرنا ...... وإن كانت حال مذاكرة الطلاق وسواله أو حالة الغضب والخصومة ، فقد قالوا إن الكنايات اقسام ثلثة: في قسم منها لايدين في حالين جميعاً لأنه ما أراد به الطلاق لا في حالة مذاكرة وسواله ولافي حالة الغضب والخصومة في قسم منها يدين في حال الخصومة والغضب ولا يدين في حال ذكر الطلاق والسوال وفي قسم منها يدين في الحالين جميعاًـ بدائع الصنائع ٢٣٥/٤ـ

تحریری طلاق:

یہاں ذہن میں یہ سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ کیا محض مفہوم طلاق رکھنے والے الفاظ زبان سے ادا کرنے ہی سے طلاق واقع ہو جاتی ہے یا تحریر سے بھی

ہو جاتی ہے اس بارے میں فقہاء نے صراحت کی ہے کہ تحریر سے بھی طلاق ہو جاتی ہے اور تحریر کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں، تحریر کی ایک صورت یہ ہے کہ وہ کسی کاغذ یا دیوار وغیرہ پر واضح اور باقی رہنے والی ہو فقہاء اسے کتابتِ مستبینہ سے تعبیر کرتے

ہیں اور اس کی دو قسمیں بتاتے ہیں، (۱) مرسومہ (۲) غیر مرسومہ، اگر باضابطہ طلاق نامہ یا مکتوب عنوان کے ساتھ اور بیوی کو مخاطب کر کے لکھا گیا ہو تو اسے کتابت مستبینہ مرسومہ کہتے ہیں، اور اگر یونہی کسی کاغذ کے ٹکڑے یا دیوار پر بیوی کی طرف اضافت کے بغیر صرف یہ لکھے کہ طلاق ہے یا طلاق دی اور یہ تحریر بیوی کو نہ بھیجے تو یہ کتابت مستبینہ غیر مرسومہ ہے۔ کتابت مستبینہ مرسومہ تلفظ کے قائم مقام ہے اور اس سے طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

اور کتابت مستبینہ غیر مرسومہ جس میں بیوی کی طرف طلاق نسبت نہ ہو اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ اگر شوہر یہ کہے کہ اس سے میری نیت بیوی کو طلاق دینے کی تھی تو طلاق واقع ہو جائیگی۔

اسلامی قانون کی مشہور معتبر کتاب فتاوی ہندیہ میں اس کی تفصیل اس طرح ہے:

الکنا یة علی نو عین مرسو مة وغیر مرسو مةونعنی بالمرسومة أن یکون مصدرا ومعنونا مثل ما یکتب الی الغائب وغیر المرسومة أن لا یکون مصدرا ومعنونا وهو علی وجهین مستبینة وغیر مستبینة فا لمستبینة ما یکتب علی الصحیفة والحا ئط والأرض علی وجه یمکن فهمه وقرائته و غیر المستبینه ما یکتب علی الهواء والماء وشیئی لا یمکن فهمه وقرائته فهی غیر المستبینة لا یقع الطلاق وان نوی وان کا نت مستبینة لکنها غیر مرسومه ان نوی الطلاق یقع والا لا الخ (، فتاوی هندیه جلد ۱/، الدرالمختار مع ردالمحتار۲/۵۸۹۔)

گونگے اور معذور کی طلاق:

یہاں یہ سوال بھی اٹھ سکتا ہے کہ اگر کوئی زبان سے یا تحریر سے طلاق ادا کرنے پر قادر نہ ہو تو کس طرح طلاق دے، مثلا اگر کوئی گونگا ہو تو اس کے لئے طلاق دینے کی کیا صورت ہوگی؟ قانون اسلامی میں اس کی بھی گنجائش ہے کہ ایسا شخص اشارہ سے طلاق دے، فقہاء نے لکھا ہے کہ

گونگا اور بولنے سے معذور شخص اگر پڑھا لکھا ہو تو وہ بذریعہ تحریر طلاق دے سکتا ہے، لیکن پڑھا لکھا نہ ہو تو اشارہ سے طلاق دینے کی اجازت ہے، مشہور فقیہ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ فرماتے ہیں گونگے کی طلاق اشارہ سے واقع ہوگی بشرطیکہ اشارہ معلوم اور مشخص ہو اور اشارہ قائم مقام قول کے تصور کیا جائے گا: "وطلاق الأخرس ورافع بالاشارة لأنها صارت معهودة فاقیمت مقام العبارة دفعا للحاجة" هداية ۲/۳۵۹

صاحب بحرالرائق علاّمہ ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

ولـه: (وأخرس باشارته) ای لو کان الزوج أخرس فان الطلاق یقع باشارة لأنها صارت مفهومة فکانت کالعبارة فی الدلالة استحسانا فیصح بها نکاحهٗ، وطلاقهٗ وعتاقهٗ وبیعهٗ وشراؤهٗ سواء قدر علی الکتابة أو لا۔ البحر الرائق ۳ / ۴۳۳ ابن نجیم کے کلام سے معلوم ہوا کہ گونگا اور نطق سے معذور شخص کے لئے اشارہ سے طلاق دینا درست ہے، اگرچہ بعض مشائخ اس کے بھی قائل ہیں کہ گونگا اگر تحریر لکھنے پر قادر ہو تو اشارہ سے طلاق دینا درست نہیں ہے۔ محقق ابن ہمام کا رجحان بھی یہی ہے فتح القدیر۳/۴۲۔

یقیناً تحریر پر قدرت کی صورت میں بہتر یہی ہے، تاہم اگر گونگا کے اشارہ سے طلاق کا مفہوم واضح ہو جائے تو طلاق واقع ہو جائے گی، جیسا کہ جمہور فقہاء احناف اور شوافع کی صراحت سے معلوم ہوتا ہے، المفصل فی احکام المرأة الدکتور عبدا لکریم زیدان ۷/ ۴۵۱۔

بذریعہ وکالت طلاق:

شرع اسلامی میں یہ بالکل واضح ہے کہ شوہر کو طلاق دینے کا حق ہے، بشرطیکہ اس میں اہلیت موجود ہو یعنی وہ عاقل اور بالغ ہو، اسی طرح اسے یہ

بھی اختیار ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کے لئے کسی عاقل وبالغ شخص کو اپنا وکیل مقرر کرلے اوراس کے ذریعہ طلاق دے، وکیل طلاق کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل اور بالغ ہو، اگر وکیل نابالغ ہوگا تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی، وکیل کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اختیار صراحتاً دیا گیا ہو اور وکیل حسب ہدایت مؤکل اس اختیار کو استعمال میں لائے۔

فقہ حنفی کی مستند کتاب ہدایہ میں ہے:

واذا قال الرجل : طلق امرتی ، فله أن يطلقها فی المجلس وبعده ولهٗ أن يرجع لانه توكيلٌ وأنهٗ استعانةٌ فلا يلزم ولا يقتصر على المجلس ، هداية مع فتح القدير ٣/ ١١٦

فقہ شافعی کی مستند کتاب مغنی المحتاج میں شوافع کا مسلک یہی درج ہے:

"ويصح التوكيل فی طرفی بيع ونكاح وطلاق " مغنی المحتاج ٢/ ٢٢٠

یہاں یہ ذکر کرنا بے سود نہیں ہوگا کہ ہمارے ملک کی عدالتوں میں میاں بیوی سے متعلق جو تنازعات جاتے ہیں وہاں شوہر کی طرف سے مقرر وکیل بسا اوقات اپنی طرف سے مؤکل کی صراحت واجازت کے بغیر بلکہ کبھی کبھی اس کے علم میں لائے بغیر طلاق نامہ اس کی بیوی کو بھیج دیتے ہیں، جیسا کہ دارالافتاء میں گاہے بگاہے اس قسم کے واقعات سے متعلق استفتاءات آتے رہتے ہیں۔ظاہر بات ہے کہ اگر مؤکل کی طرف سے طلاق دینے کی صراحت نہ ہو اور نہ ہی اس کی خبر ہو تو شرعی نقطۂ نظر سے اس سے طلاق واقع نہیں ہوگی۔

یہاں یہ بھی دھیان رکھنے کی ضرورت ہے کہ وکیل کو اختیارِ طلاق سونپنے کی صورت میں مؤکل شوہر کو ہر وقت یہ اختیار حاصل ہے کہ وکیل کو دئے ہوئے اختیار کو واپس لے لے یا وکیل کے اس اختیار کو محدود کردے بشرطیکہ وکیل نے اس سے قبل اس اختیار کو استعمال نہ کیا ہو۔

علامہ حصکفی لکھتے ہیں:

" قوله لأجنبی (طلق إمرأتی) فيصح رجوعهٗ منه ولم يقيد بالمجلس لأنه توكيل محض" (الدر المختار علی رد المحتار ج٤/ ص٥٥٥)

تفویض طلاق:

شوہر کو جس طرح یہ اختیار حاصل ہے کہ اپنی بیوی کو طلاق دینے کا حق کسی دوسرے کو دے دے یعنی طلاق دینے کا وکیل بنادے اسی طرح اسے یہ بھی اختیار ہے کہ خود بیوی کو طلاق لے لینے کا حق سپرد کردے، اس سپردگی کو تفویض طلاق کہتے ہیں عورت کو اس طرح خود طلاق لینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے۔اس مسئلہ میں کئی انواع اور تفصیلات ہیں اس لئے ہم اس کو اس مختصر تحریر میں بیان نہیں کرسکتے ہیں صرف اتنی بات پر اکتفاء کرتے ہیں کہ نظام طلاق میں تفویض طلاق بھی داخل ہے، اور اس کا ایک مستقل باب اور عنوان ہے،

جس کا حاصل یہ ہے کہ شوہر کے لئے جائز ہے کہ وہ اپنی زوجہ کو حق طلاق تفویض کردے مگر اس صورت میں خود اس کا حق طلاق ساقط نہ ہوگا اور زوجہ کو شوہر کی طرف سے حق طلاق تفویض ہونے کی صورت میں خود اپنے اوپر طلاق واقع کرنے کا اختیار حاصل ہو جائے گا۔

طلاق کا اختیار کس کو ہے؟

اس جگہ عام طور پر بعض اہل علم اور کچھ معترضین کی طرف سے یہ سوال کیا جاتا ہے کہ طلاق کون دے؟ شوہر یا بیوی یا دونوں میں سے ہر ایک یا عدالت؟

اسلام کے نظام طلاق کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ طلاق دینے کا اختیار تو اصلاً شوہر کو ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے نظام خاندان کا سربراہ مرد کو قرار

دیا ہے، اوراسی کے ذمہ خاندان کے مسائل اور ذمہ داریوں کو سپرد کیا ہے، فرمان الٰہی ہے: الرجال قوامون علی النساء بما فضل اللّٰہ بعضهم علی بعض وبما انفقوا من اموالهم فاالصالحات قانتات حافظات للغیب بما حفظ اللّٰہ ۔ سورۃ النساء آیت ۳٤

امام جصاصؒ نے آیت کی تفسیر کرتے ہوئے فرمایا: ”والمقصود بقوامیة الزوج علی زوجیة فی الآیة قیامه علیها باالتادیب والتدبیر والحفظ والصیانة“ احکام القرآن للجصاص ۱۸۸/۲ ابن العربی فرماتے ہیں: وتولی امرها واصلاح حالها۔ احکام القرآن ابن العربی ۲/ ٤۱٦

(شوہر کو بیوی پر قوام وسربراہ بنانے کا مقصد یہ ہے کہ اسے خاندانی نظام میں اصلاح وتادیب، تدبیر اور حفاظت وصیانت کی ذمہ داری دی گئی ہے)

نظام خاندان کے بکھرتے وقت کی نازک گھڑی میں طلاق دینے کا اختیار اور اجازت شوہر ہی کو دی گئی ہے کیونکہ نکاح سے متعلق تمام ذمہ داریوں بالخصوص مہر، نان ونفقہ ورہائش ودیگر امور کی ذمہ داریاں جس فریق کے سر ہوگی عقل وخرد اور انصاف کا تقاضہ یہ ہے کہ اس پاکیزہ وپائیدار رشتہ کو ختم کرنے کا اختیار بھی اسے ہی حاصل ہو۔

لیکن یہ بھی یادرہے کہ شرع اسلامی نے شوہر کو مطلق طلاق دینے کا اختیار نہیں دیا ہے بلکہ اس کے لئے کچھ ضابطۂ اخلاق بھی مقرر کیا ہے اور شوہر کو تاکید کی ہے کہ بلاضرورت طلاق دینا سخت گناہ ہے۔ علاوہ ازیں طلاق دینے پر مرد ہی پر ساری مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، مہر ہو یا عدت کا نفقہ یا بچوں کے اخراجات اور ان کی پرورش پر ماں کے اخراجات وغیرہ سب مرد کے ذمہ ہوتے ہیں اس لئے انہیں طلاق دینے کے لئے سوبار سوچنا پڑتا ہے، اور غور کیا جائے تو یہ حقیقت ہے کہ فطرۃً ان کی عقل میں پختگی اور جذبات میں ٹھہراؤ ہوتا ہے جو فیصلہ میں جلد بازی سے روکتا ہے، اس کے برعکس عورت پر نہ مالی ذمہ داریاں عائد ہوتی ہیں، اور نہ ہی خاندانی تقاضوں کے بوجھ جو ان کو سوچنے پر مجبور کرے،

اس کے برعکس عورت میں صنف نازک ہونے کی بنا پر وفور جذبات پائے جاتے ہیں، جو ان کو فیصلہ میں جلد بازی پر ابھارتے ہیں جس سے پورا خاندان دشواریوں کا شکار ہوسکتے ہیں، اس لئے ان کو طلاق دینے کا اختیار دینا فریقین اور ان کے خاندان کے لئے نقصان دہ ہوسکتا ہے، جو کسی مہذب سماج کے لئے کسی طرح مناسب نہ ہوتا، عصر حاضر کے معروف فقیہ مولانا خالد سیف اللہ رحمانی فرماتے ہیں: مشرق سے مغرب تک کسی بھی مہذب معاشرہ میں عورت کو طلاق دینے کا حق نہیں دیا گیا ہے اور اس کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کے اندر قدرت نے جذبات کا وافر عنصر رکھا ہے اور یہ ان کا عیب نہیں بلکہ ان کا حسن ہے......وفور جذبات سے جہاں محبت کی سوغات ملتی رہتی ہیں وہیں اس کی وجہ سے زودرنجی اور جلد بازی پیدا ہوجاتی ہے اور فیصلہ کرنے میں عجلت سے کام لیتی ہے اور پھر جلد اپنے کئے پر پچھتاتی بھی ہے۔ (مسلم پرسنل لا، اور بعض غلط فہمیاں۔ ص ٦١-٦٣)

یہ اختیار صرف عدالت کو دینے میں بھی بہت سی دشواریوں کا سبب بنتا جو فریقین کے لئے قوت، مال، اور عزت ہر لحاظ سے نقصان دہ ہوتا۔ تاہم اسلام نے عورت کے ساتھ زیادتی اور حق تلفی کی صورت میں اسے عدالت کے ذریعہ دشواریوں کو حل کرنے یا علیحدگی اختیار کرنے کا بھی حق دیا ہے۔ غرض کہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ طلاق کا اختیار صرف عورت یا صرف عدالت کو نہ دے کر مرد کو سپرد کونے میں عورت ہی کا مفاد پنہاں اور اس کی زندگی کے تحفظ کا انتظام ہے۔ اس موضوع پر فقہ وفتاوی کے ماہر اور قانون وقضاء کے رمز شناس، کنوینر شعبہ قضاء آل انڈیا مسلم پرسنل لا بورڈ مولانا عتیق احمد بستوی مدظلہ العالی کا ایک علمی وتحقیقی رسالہ بعنوان عائلی تنازعات کا شرعی حل اور شوہر کو حق طلاق کیوں؟ موجود ہے جس میں موضوع کا پورا احاطہ کیا گیا ہے اور لائق مطالعہ ہے طلاق کا اختیار محض عدالت کے سپرد نہ کئے جانے کی حکمتوں کا جائزہ لیتے ہوئے مولانا موصوف لکھتے ہیں:

’’یہ حقیقت بھی پیش نظر رہنی چاہئے کہ ازدواجی رشتہ بہت حساس اور نازک ہے، بیوی سے شوہر کا دل اچاٹ ہونے اور شوہر کے دل میں نفرت کے جذبات مستحکم ہونے کے اسباب اتنے کثیر اور متنوع ہیں کہ ان میں سے اکثر کو عدالت کی گرفت میں نہیں لایا جاسکتا اور کبھی طلاق کے اسباب اس نوعیت کے ہوتے ہیں کہ انہیں عدالت میں زیر بحث لانا عورت کے مفاد میں نہیں ہوتا بلکہ انہیں راز میں رکھنا ہی عورت کہ بہی خواہی ہوتی ہے‘‘۔ عائلی تنازعات کا شرعی

حل اور شوہر کو حق طلاق کیوں؟ ص۱۴۔

مولانا مدظلہٗ نے اس اجمال کی تفصیل چند مثالوں کے ذریعہ پیش کر کے مرد کے اختیار طلاق کی شرعی حکمتوں کو واشگاف کیا ہے اس عنوان پر اتنی ہی گفتگو کے ساتھ اب ہم اپنی بات ختم کرتے ہوئے آگے بڑھتے ہیں۔

شرائط طلاق:

شرائط طلاق میں ایک بنیادی شرط یہ ہے کہ طلاق دینے والا شوہر ہو یا شوہر کا وکیل یا مفوض الیہ (Dalegatee) ہو، یہی وجہ ہے کہ کسی صغیر السن بچہ کے والد یا ولی (Guardian) کو اپنے بچہ یا زیر ولایت کی زوجہ کو طلاق دینے کا اختیار نہیں ہے اور شوہر کا یہ اختیار کتاب وسنت سے ثابت ہے، آیت قرآنی ہے: "واذا طلقتم النساء" (سوره بقره : ۲۳۱)۔ دوسری آیت ہے: " فـان طلقها فلا تحل لهٗ من بعد حتى تنكح زوجاً غيره" (بقره : ۲۳۰)

ان آیات میں خطاب شوہروں سے ہے اور انہی کو یہ اختیار دیا گیا ہے، حدیث نبوی ہے: " الطلاق لمن أخذ بالساق" (طلاق دینے کا حق اسے ہے جو عورت کی عصمت کا مالک ہے) (سنن ابن ماجہ، ج ۱/ص ۶۷۲)

اس قسم کی نصوص کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ طلاق واقع ہونے کے لئے لازم ہے طلاق دینے والا زوج ہو یا اس کا وکیل یا وہ شخص زوج نے جسے طلاق دینے کا حق سپرد کر دیا ہو۔ بدائع الصنائع ۹۹/۳

اہلیت طلاق:

پھر زوج کے لئے بھی یہ شرطیں بیان کیں کہ وہ مکلّف شرع یعنی عاقل، بالغ اور مختار ہو مجبور نہ ہو۔ شیخ وھبہ الزحیلیؒ فقہاء کی تصریحات سامنے رکھتے ہوئے لکھتے ہیں:

"يشترط أن يكون زوجا مكلفاً (عاقلا بالغا) ، مختاراً بالاتفاق" ......آگے لکھتے ہیں: "فلا يصح الطلاق من غير زوج ، ولا من صبی مميز أو غير مميز ، وأجاز الحنابلة طلاق مميز لعقل الطلاق ولو كان دون عشر سنين" الفقه الاسلامی وادلته (جلد ۹/ ص ۶۸۸۱)۔

محقق ابن ھمام نے بڑی اصولی بحث کی ہے اور فرمایا ہے کہ جس طرح دیگر تصرفات شرعی کے لئے مکلّف شرع ہونا شرط ہے اسی طرح طلاق دینے کے لئے بھی مکلّف اور اہلیت کا پایا جانا شرط ہے آپ لکھتے ہیں:

"ومعلوم من كليات الشريعة أن التصرفات لا تنفذ الا بمن لهٗ أهلية التصرف وأدناها العقل والبلوغ خصوصا ماهو دائر بين الضرر والنفع خصوصاً ما لا يحل الا لانتفاء مصلحة ضده القائم (النكاح) كالطلاق فانه يستدعى تمام العقل ليحكم به التميز فى ذلك الأمر الأخ" (فتح القدير ۳ / ۳۸، ۳۹)

محقق ابن ھمام کے کلام سے معلوم ہوا کہ شرع اسلامی میں کسی عمل کے معتبر ہونے کے لئے یہ ضروری ہے کہ وہ کسی مکلّف شرع یعنی بااھل شخص کے ذریعہ وجود میں لایا گیا ہو، باب طلاق میں اھلیت کے لئے عاقل وبالغ ہونا بنیادی شرط ہے، یہی وجہ ہے کہ جو عقل نہ رکھتا ہو مثلاً مجنون (پاگل) یا معتوہ (مغلوب العقل) ہو اسی طرح جو حد بلوغ کو نہ پہونچا ہو یعنی صغیر وبچہ ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہ ہوگا، اسی زمرہ میں مدہوش، مغمی علیہ (جس پر غشی طاری ہو)، نائم (سوئے ہوئے) اور سرسام زدہ بھی آتے ہیں اسی لئے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ طلاق دینے والا عاقل وبالغ ہو اور طلاق ہوش وہواس اور حالت بیداری میں دی گئی ہو، اگر طلاق دینے والا نابالغ یا مجنون یا کم عقل (معتوہ) یا مدہوش (بے ہوشی والا) یا سرسامی کیفیت میں مبتلا یا نیند کی حالت

میں ہو اور طلاق دے دے تو واقع نہیں ہوگی۔ مشہور حنفی فقیہ علاء الدین حصکفی لکھتے ہیں:

”لا يقع طلاق المجنون والصبى والمعتوه والمرسم والمغمىٰ عليه والمدهوش والنائم“ الدر المختار على رد المختار ٢ / ٥٨٥، ٥٨٦

فقہاء نے مجنون، معتوہ، اور نابالغ وغیرہ کو طلاق دینے کے سلسلہ میں جو نااہل قرار دیا ہے ان کی نظر میں عام اصول شرع کے علاوہ احادیث نبوی بھی ہیں، ترمذی کی روایت ہے: ” كل طلاق جائز الّا طلاق الصبى والمعتوه“ اور بخاری میں یہ الفاظ ہیں: ” كل طلاق جائز الا المعتوه“ (بخارى مع حاشيه السندى ج٣/ ٢٧٢) امام نسائی کی روایت میں ”معتوہ“ کی جگہ مجنون ہے، مجنون اور معتوہ دونوں اختلالِ عقل کے اعتبار سے تقریباً ایک ہیں، اس روایت میں مجنون کے ساتھ صغیر اور نائم کے بھی الفاظ ہیں: ”رفع القلم من ثلاثه عن النائم حتى يستيقظ وعن الصغير حتى يكبر وعن المجنون حتى يعقل أو يفيق“ نسائى ٢/ ٨٥۔ روایت کا مطلب یہ ہے کہ یہ تین اشخاص احکام شرعیہ سے بری ہوگئے ایک سونے والا جب تک جاگ نہ جائے دوسرا بچہ جب تک بالغ نہ ہو جائے تیسرا پاگل جب تک صحیح العقل یا افاقہ نہ ہو جائے ان محدثین کے علاوہ کئی اور محدثین نے یہ روایتیں نقل کی ہیں اور محدث الحاکم نے مذکورہ روایت کو صحیح قرار دیا ہے۔ -ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ انسانی معاشرہ میں بعض ایسے افراد پائے جاتے ہیں شریعت اسلامی نے جن کے تصرفات کو اہلیت تصرف نہ پائے جانے کی وجہ سے معتبر نہیں مانا ہے- ذیل میں ہم ان میں سے چند کی ضروری تشریح اور ان کے تصرف طلاق کا حکم مختصراً درج کر رہے ہیں:

بچہ یا نابالغ کی طلاق:

اوپر یہ بات آ چکی ہے کہ طلاق دینے والے کا بالغ ہونا ضروری ہے لہذا نابالغ کی طلاق اہلیت نہ پائے جانے کی وجہ سے واقع نہیں ہوگی اگرچہ وہ قریب البلوغ کیوں نہ ہو۔ اگر لڑکے نے صغرسنی کی حالت میں طلاق دی اور بلوغ کے بعد اس سابق طلاق کو بحال رکھا تب بھی وہ سابق طلاق واقع نہ ہوگی۔ (بدائع الصنائع ۳/ ۹۹-۱۰۰)

نابالغ عقلمند کی طلاق:

بعض لڑکے نابالغ ہونے کے باوجود عقلمند نظر آتے ہیں اور معاملات کرنے میں ہوشیار دکھتے ہیں تو کیا ان کی دی ہوئی طلاق واقع ہوگی؟

اس بارے میں جمہور فقہاء کی رائے یہی ہے کہ نابالغ اگرچہ عقل وتمیز رکھتا ہو اس کے باوجود اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ البتہ فقہاء حنابلہ عقل وتمیز رکھنے والے نابالغ لڑکے کی طلاق کو واقع قرار دیتے ہیں۔ اس مسئلہ پر عصر حاضر کے ماہر فقہ ڈاکٹر عبدالکریم زیدان نے تفصیلی گفتگو کی ہے اور جمہور کے قول کو راجح قرار دیتے ہوئے بڑی اچھی بات کہی ہے کہ بعض بچوں میں عقل وتمیز کا ہونا اعتبار طلاق کے لئے کافی نہیں ہے کیونکہ اس قسم کی صلاحیت کا کسی بچہ میں پایا جانا قلیل اور نادر ہے اور نادر پر احکام مبنی نہیں ہوتے بلکہ غالب پر ہوتے ہیں۔

”وكون بعض الصبية على قدر من التميز البالغين لا يكفى للقول بصحة طلاق الصبى المميز ، لان وجود مثل هذه الصبية قليل بل نادر ، والأحكام تبنى على الغالب لا على النادر والغالب فى الصبية أن تمييزهم أقل من تمييز البالغين وبقدر لا يكفى لتصحيح طلاقهم“ (المفصل فى أحكام المرأة والبيت ٧/ ٣٦٢)

پاگل کی طلاق:

پاگل یا مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی عقل زائل ہو چکی ہو، فقہاء کے نزدیک مجنون اس شخص کو کہتے ہیں جس کی قوت تمیز جنون کے سبب مختل ہو جائے، اچھے اور برے میں فرق نہ کر سکے اور اپنے افعال کے انجام کو سمجھنے کی قوت نہ رہے، خواہ پیدائشی طور پر یا کسی آفت یا عارضہ کی بنا پر یہ پیدا ہوا ہو۔

فقہاء نے جنون کی دو قسمیں ذکر کی ہیں (۱) جنون مطبق (مسلسل) (۲) جنون غیر مطبق (غیر مسلسل)۔ (بحر الرائق ۸۹/۳)

جنون مطبق کی حالت میں جو طلاق دی جائے وہ ابتداء ہی سے باطل اور کالعدم قرار پاتی ہے۔ کیونکہ اس حالت میں انسان اپنے مفادات کو سمجھنے کی صلاحیت نہیں رکھتا ہے، اس لئے اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی، صاحب بدائع صراحت کرتے ہیں: "لأن العقل شرط التصرف" بدائع الصنائع ۹۹/۳۔ البتہ جنون غیر مطبق کی صورت میں جس وقت افاقہ ہو اس وقت کی دی ہوئی طلاق کا حکم ایک عاقل شخص کی طلاق کا ہوگا اور ایسی طلاق واقع ہو جائے گی کیونکہ مجنون غیر مطبق کے تصرفات افاقہ کی حالت میں عاقل شخص کے تصرفات کے مانند ہیں۔ "تصرفات المجنون غير المطبق فى حاله افاقة كتصرف العاقل" مجلة الأحكام العدلة و دفعه ۹۸۔

معلوم ہوا کہ غیر مطبق میں بوقت افاقہ تصرفات کی اہلیت موجود ہوتی ہے اس لئے اہلیت پائے جانے کی بنا پر طلاق معتبر ہوگی۔

مغلوب العقل (معتوہ) کی طلاق:

شرع اسلامی میں معتوہ اس شخص کو کہتے ہیں جو بے عقل ہو اور بے ربط باتیں کرتا ہو یعنی جو منہ میں آئے بک جائے۔ فتح القدیر ۳۸/۳

پیچھے یہ بات گذر چکی ہے کہ احادیث نبوی کی صراحت کے مطابق معتوہ کا تصرف بھی نافذ نہیں ہوتا۔ جمہور فقہاء نے یہ بات کہی ہے کہ معتوہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی، البتہ بعض فقہاء نے یہ اضافہ کیا ہے کہ اگر معتوہ نے بحالت افاقہ طلاق کو کسی شرط پر معلق کیا ہو اور پھر دیوانہ ہو گیا اور بحالت دیوانگی وہ شرط پوری ہو گئی تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ مثلاً اگر معتوہ نے افاقہ کی حالت میں بیوی سے یہ کہا کہ اگر تم میکہ گئی تو تم کو طلاق ہے پھر اس پر جنون کی کیفیت طاری ہوئی اور بیوی اب میکہ گئی تو یہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ (ردالمختار ۲/ ۴۳۷-۴۳۸)

مغشیٰ (جس پر غشی طاری ہو) کی طلاق:

غشی کی حالت میں محرک اور حسی قوتیں معطل ہو جاتی ہیں اور بے اختیار نیند کی مانند ہوتی ہے جو بالعموم ضعف قلب کی وجہ سے طاری ہوتی ہے، ایسی حالت میں انسان کا دل و دماغ قابو میں نہیں رہتا ہے۔ اس لئے اس میں اہلیت تصرف نہیں ہوتی ہے اور ایسا شخص احکام شرع کا مکلّف نہیں ہوتا اس لئے تمام فقہاء نے صراحت کی ہے کہ مغشیٰ جس پر غشی طاری ہو اس کی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع ۱۰۰/۳)

مدہوش کی طلاق:

مدہوش وہ شخص کہلاتا ہے جس کی عقل جاتی رہے، فقہاء کے نزدیک مدہوش وہ شخص کہلاتا ہے جو کسی صدمہ، مصیبت یا اچانک حادثہ کے سبب عقل کھو بیٹھے۔ ظاہر بات ہے جب عقل زائل ہو جائے تو وہ تصرف شرعی کے لائق نہیں رہتا لہذا اس کی دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوگی۔ (بدائع الصنائع ۱۰۰/۳)

نائم (سوئے ہوئے) کی طلاق:

سوئے ہوئے شخص کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی، جیسا کہ پیچھے روایت میں یہ تفصیل آچکی ہے کہ ایسے شخص کے تصرفات معتبر نہیں ہوتے ہیں۔

سرسام زدہ اور مغمیٰ علیہ کی طلاق:

سرسام ایک قسم کی بیماری ہے جس میں انسان دیوانوں جیسی حرکت کرنے لگتا ہے فقہاء نے لکھا ہے کہ سرسام زدہ شخص کی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے، کیونکہ اس کو صحیح العقل قرار نہیں دیا جا سکتا ہے اور اس کی حالت مجنون اور معتوہ کی سی ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے تصرفات شرعی کی اہلیت ختم ہو جاتی ہے لہذا اس حالت میں دی ہوئی طلاق واقع نہیں ہوتی ہے۔ (بحر الرائق ۲/ ۲۶۸)

حالت نشہ کی طلاق:

طلاق دینے کے لئے عقل وشعور اور بلوغ کی شرط رکھی گئی ہے جس کے تحت مجنون، معتوہ یعنی فاتر العقل اور نابالغ کا ذکر آیا، اسی ضمن میں نشہ میں مبتلا شخص کے طلاق کی بحث آتی ہے، اور یہ سوال پیدا ہوتا رہتا ہے کہ اگر کوئی شخص نشہ کی حالت میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو یہ طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟

اس مسئلہ میں شرع اسلامی سے جو رہنمائی ملتی ہے ہم اس کا حاصل یہاں درج کریں گے لیکن اس سے قبل کیفیت نشہ کی تحدید اور اس کی وضاحت ضروری سمجھتے ہیں۔

نشہ کی تشریح:

نشہ کے لئے عربی زبان میں ''سکر'' کا لفظ آتا ہے فقہاء کے نزدیک سکر سے نشہ کی وہ کیفیت مراد ہے جس میں نفع ونقصان کی تمیز نہ کی جا سکے اور جو شخص حالت نشہ میں ہوتا ہے اسے ''سکران'' کہتے ہیں، اور ایسے شخص کی دی ہوئی طلاق کو فقہاء ''طلاق السکران'' سے تعبیر کرتے ہیں، فقہاء حنفیہ نے ''سکران'' کی تعریف دو طرح سے بیان کی ہے ایک یہ ہے، "السکر ھو الذی لا یفرق بین الارض والسماء ولا بین الرجل والمرأة" بحرالرائق ۲/۲٦٦ یعنی ''سکران'' وہ شخص ہے جو زمین وآسماں اور مرد وعورت کے درمیان کوئی فرق نہیں کر سکتا۔ دوسری تعریف، "السکر سرور یغلب علی العقل فیھذی فی کلامہ" فتح القدیر ۳/۴۰ یعنی نشہ ایک سرور کا نام ہے جو عقل پر غالب آجائے اور وہ (شخص مخمور) اپنے کلام میں مغلوب العقل ہونے کی وجہ سے ہذیان بکنے لگے۔ پہلی تعریف امام ابوحنیفہ کی طرف منسوب ہے اور دوسری صاحبین کی طرف اور ائمہ ثلاثہ کے اقوال صاحبین کی طرف منسوب تعریف کے مطابق ہیں اور یہی تعریف متأخرین علماء نے بھی پسند کی ہیں۔ ردالمختار ابن عابدین شامی۔ کتاب الطلاق ۲/۴۳۴

حالت نشہ کی طلاق کا حکم:

اس مسئلہ میں فقہاء احناف کا نقطۂ نظر یہ ہے کہ حالت نشہ میں جو حرام شے سے ہوا اور اپنی مرضی سے نشہ حاصل کرنے اور اس سے لذت اٹھانے کے لئے استعمال کیا گیا ہو طلاق دئے جانے کی صورت میں طلاق واقع ہو جائے گی،

علامہ کاسانیؒ نے لکھا ہے کہ اگر ''سکران'' (جو شخص نشہ میں ہو) نے اپنی زوجہ کو طلاق دی جبکہ نشہ کسی ممنوع شے سے ہوا ہو، مثلاً، شراب اپنی خواہش سے پی لی اور نشہ میں مبتلا ہو گیا اور اس کی عقل زائل ہو گئی اور اس حالت میں اس نے اپنی زوجہ کو طلاق دے دی تو عام علماء اور صحابہ کے نزدیک وہ طلاق واقع ہو جائے گی۔ (بدائع الصنائع ۳/۱۸۳)

لیکن صحابہ میں حضرت عثمانؓ کے نزدیک حالت نشہ کی طلاق واقع نہیں ہوگی اور فقہاء احناف میں امام طحاویؒ اور امام کرخیؒ اسی کے قائل ہیں، (بدائع الصنائع، ج ۳/۱۸۴)

امام مالکؒ کے نزدیک حالت نشہ کی دی ہوئی طلاق واقع نہ ہوگی امام شافعیؒ کا بھی ایک قول یہی ہے، لیکن ان کا آخری قول یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ''طلاق سکران'' واقع ہو جاتی ہے، امام احمد بن حنبل کے نزدیک بھی بحالت نشہ طلاق واقع نہیں ہوتی بشرطیکہ وہ شخص نشہ میں اس قدر مبتلا ہو کہ نیک وبد میں تمیز نہ کر سکے۔

اس مسئلہ میں فقہاء کے کلام سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ نشہ اگر حرام شے سے استعمال ہوا ہو اور اپنے اختیار سے برائے سرور وکیف استعمال کیا گیا ہو تو عام فقہاء کے نزدیک طلاق واقع ہو جائے گی۔ البتہ بعض فقہاء اس بنا پر وقوع طلاق کے قائل نہیں ہیں کہ حالت نشہ میں جب عقل زائل ہو جائے اور اس کی وجہ سے وہ اپنے معاملات میں تصرف کا اہل نہ رہے تو اس کی دی ہوئی طلاق کا اعتبار نہیں ہوگا لیکن اگر حرام شے کا استعمال جبراً کرایا گیا یا غلط فہمی میں خود استعمال کیا تو اس صورت میں تمام فقہاء کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔

ایک جائزہ:

فقہاء کے اقوال ودلائل کا جائزہ لینے سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حالت نشہ کی طلاق کے وقوع کا سبب زجر وسزا ہے، جیسا کہ صاحب ہدایہ ودیگر فقہاء نے ذکر کیا ہے، اور اس حکم میں وہ عوامل کارفرما نظر آتے ہیں جو اس وقت مسلم معاشرہ پر اثر انداز ہو رہے تھے۔ جیسا کہ علامہ شامی نے بزازیہ کے حوالہ سے ذکر کیا ہے۔ نیز ابن نجیم مصری بزازیہ کا کلام ان الفاظ میں نقل بھی کرتے ہیں: وفی البزازیہ المختار فی زماننا لزوم الحد لان الفساق یجتمعون علیه ، بحر الرائق ۴۳۲/۳ ۔ ہمارے زمانہ میں یہ ضروری ہے کہ شراب کے استعمال کی کثرت کو روکنا تھا جس کو ایک سماجی ردعمل کہا جاسکتا ہے۔

ورنہ اختلاف صحابہ کی موجودگی میں حتمی طور پر بحالت نشہ طلاق واقع ہونے کا حکم کیوں کر لگایا جاسکتا ہے! اگر ہم اپنے دور بالخصوص موجودہ ہندوستانی معاشرہ کا جائزہ لیں تو یہ حقیقت مخفی نہیں کہ اس طلاق کے واقع ہونے میں شوہروں کے بجائے عورتوں کی سزا ہو جاتی ہے اور بعض شوہر کسی دوسری جگہ جا کر شادی رچا کر عیش وعشرت کی زندگی گزارتے ہیں، اور بے چاری عورت بچوں کے ساتھ در در پھرتی اور کسمپرسی کی زندگی گزارتی ہے۔ اس لئے فی زماننایہ ایک قابل غور مسئلہ ہے۔

بنیاد حکم:

غور کا ایک گوشہ یہ بھی ہے کہ بنیاد حکم کو تلاش کیا جائے اس اعتبار سے بحالت نشہ طلاق واقع ہونے یا نہ ہونے کا دار ومدار اس حالت پر ہونا چاہئیے جس میں طلاق کا فعل سرزد ہو۔ حالت اور کیفیت کے اعتبار سے امام ابوحنیفہؒ کا خیال ہے کہ وہ شخص نشہ کے سبب زمین وآسمان میں فرق نہ کر سکے جب کہ صاحبین کے نزدیک وہ شخص اس قدر نشہ میں ہو کہ اس کی عقل معطل ہو جائے اور ہذیان بکنے لگے۔ لہذا اس کیفیت وحالت کے پیش نظر اگر نشہ ہلکا ہوا اور وہ شخص اپنے افعال کے اثرات کو محسوس کر سکتا ہو تو طلاق نافذ قرار دینی چاہئیے، لیکن اگر وہ نشہ سے اس قدر مست ہے کہ اسے گردوپیش کا ہوش نہیں تو طلاق نہ ہونی چاہئیے لہذا بحالت نشہ کی مذکورہ بالا حالتوں میں دیکھنا چاہئیے اور طلاق کے واقع قرار دیئے جانے کا فیصلہ معاملہ کی نوعیت اور نشہ کی حالت کے پیش نظر طے کیا جانا چاہئیے۔

احناف میں امام طحاوی اور امام کرخی اسی نقطۂ نظر کے قائل ہیں اور یہ حضرات عقل ہی کو جو اہلیت کے شرائط میں ہے بنیاد بناتے ہیں، علامہ علاء الدین کاسانیؒ ان کی رائے نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

وجه قولهم: "أن عقله زائل والعقل من شرائط اهلية التصرف لما ذكرنا ، ولهذا لا يقع طلاق المجنون والصبى الذى لا يعقل والذى زال عقله بالنبج والدواء"(بدائع الصنائع ۳/ ۱۵۸)

اس مسئلہ کو فقہ اکیڈمی انڈیا نے اپنے بارھواں سمینار بمقام دار العلوم الاسلامیہ بستی میں غور وفکر کا موضوع بنایا ہے اور شرکاء سمینار نے بحث ومباحثہ کے بعد درج ذیل تجویز پاس کی ہے: تجویز۵: کسی شخص نے شراب یا کسی اور نشہ آور حرام چیز کا استعمال اپنی رضامندی سے جان بوجھ کر کیا اور اسے نشہ طاری ہوگیا لیکن وہ نشہ کی ابتدائی حالت میں ہے جس میں ایک قسم ایک کا سرور طاری ہوتا ہے البتہ ہوش وحواس برقرار رہتا ہے اور انسان بات سمجھتا ہے اسی حالت میں وہ اپنی بیوی کو طلاق دیتا ہے تو اس کی طلاق واقع ہوگی۔ تجویز۶: اور اگر اس حالت میں اس کو شدید نشہ طاری ہوگیا، جس کی وجہ سے ہوش وحواس برقرار نہ رہا، بالکلیہ ہوش وحواس کھو بیٹھا اور اس حالت میں اس نے الفاظ طلاق استعمال کئے تو اس کی طلاق واقع ہوئی یا نہیں اس سلسلہ میں شرکاء سمینار دو رائے رکھتے ہیں: اکثر حضرات اس صورت میں عدم وقوع کی رائے رکھتے ہیں۔

اس تجویز میں اگر چہ بحالت نشہ طلاق کے وقوع وعدم وقوع دنوں رائیں آئی ہیں تاہم ارباب افتاء کے لئے اس مسئلہ سے دوچار لوگوں کے حالات اور ملکی قانون کے تناظر میں رائے قائم کرنا اور فتوی دینا کافی آسان ہوگیا ہے اور احناف کے لئے اپنے مسلک کے دائرہ میں رہ کر بھی فتویٰ دینے کی گنجائش نکلتی ہے۔ هذا ما عندی والله اعلم بالصواب۔

طلاق مکرہ (مجبور شخص کی طلاق):

شرائط طلاق میں ایک شرط جمہور فقہاء کے نزدیک یہ ہے کہ طلاق دینے والا مختار ہو مجبور نہ ہو، فقہاء احناف وقوع طلاق کے لئے اختیار کو شرط قرار نہیں دیتے اور حالت اکراہ کی طلاق کو واقع سمجھتے ہیں۔

اکراہ کی وضاحت:

اکراہ کیا ہے؟ اور فقہاء کرام نے اس بارے میں کیا کچھ فرمایا ہے؟ یہاں اس کی تشریح اختصاراً صحیح ضروری معلوم ہوتی ہے، فقہاء نے اکراہ (جبر) کی تعریف یوں کی ہے کہ جبر کسی شخص کا وہ قول یا فعل ہے جو دوسرے شخص کو اس کی خواہش کے خلاف اس فعل کے کرنے پر مجبور کرے جس کا جبر کرنے والا خواہشمند ہے، علامہ کاسانیؒ نے بدائع الصنائع میں اکراہ، اس کی اقسام اور نتائج پر بڑی تفصیلی بحث کی ہے، وہ لکھتے ہیں کہ اکراہ کی دو قسمیں ہیں (۱) اکراہ تام (۲) دوسری اکراہ ناقص۔

(۱) اکراہ تام وہ ہے جس میں انسان مضطر اور مجبور ہو جاتا ہے اور نتیجۃً اس کی رضامندی معدوم اور اختیار سلب ہو جاتا ہے مثلاً قتل یا جسم کے کسی عضو کے قطع کی دھمکی یا ایسی مار کی دھمکی جس سے جان جانے کا خطرہ ہو۔ اکراہ تام کو (اکراہ ملجی) بھی کہتے ہیں۔

(۲) اور اکراہ ناقص وہ ہے جس میں صرف رضا معدوم ہوتی ہے اور اختیار فاسد ہو جاتا ہے نہ کہ معدوم۔ مثلاً ایسی دھمکی دی گئی ہو جس سے جان جانے یا جسم کے کسی عضو کے ضائع ہونے کا کوئی اندیشہ نہ ہو مثلاً قید وغیرہ۔ فقہاء اس کو اکراہ غیر ملجی بھی کہتے ہیں۔ اکراہ علی الطلاق بحث کرتے ہوئے امام کاسانیؒ لکھتے ہیں، طلاق کا تعلق ان امور سے ہے جن کے انعقاد کے لئے "رضا" کی ضرورت نہیں اور اکراہ کی صورت میں جو کچھ لازم آتا ہے وہ یہ ہے کہ "مکرہ" (شخص مجبور) کی رضا معدوم ہو جاتی ہے لیکن "رضا" کے معدوم ہونے سے وقوع طلاق پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا۔ بدائع الصنائع ۱۸۲/۷

چنانچہ فقہاء احناف کے نزدیک طلاق مکرہ واقع ہو جاتی ہے خواہ شوہر مجبور ہو کیونکہ ان کے نزدیک اختیار طلاق واقع ہونے کے لئے شرط کی حیثیت نہیں رکھتا۔ امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"أما كون الزوج طائعاً فليس بشرطٍ عند اصحابنا وعند الشافعيؒ شرط حتى يقع طلاق المكره عندنا وعنده لا يقع" بدائع الصنائع ۱۶۰/۳ كتاب الطلاق

مشہور فقیہ علامہ برہان الدین المرغنانیؒ طلاق مکرہ کا حکم بیان کرنے کے بعد اس کی دلیل ان الفاظ میں ذکر کرتے ہیں: "ولنا أنه قصد ايقاع الطلاق في منكوحته في حال اهليته فلا يعرى عن قضيته دفعا لحاجته اعتباراً بالطائع" (ہماری دلیل یہ ہے کہ مکرہ نے اپنی منکوحہ کو طلاق دینے کا ارادہ اہلیت کی حالت میں کیا ہے جو حکم سے خالی نہیں اور اس نے ایسا اپنی ضرورت یعنی جان گنوانے یا عضو ضائع ہونے سے بچانے کے پیش نظر کیا ہے)۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کوئی خوش دلی سے طلاق دے۔ علامہ موصوف اس دلیل کی معقولیت کی مزید وضاحت کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ "وهذا لانه عرف الشرين واختارا هو نهما وهذا آية القصد والاختيار الّا أنه غير راض بحكمه وذلك غير مخل به كالها زل" (هدايه ج۲/ ص ۳۵۸)

(یعنی اور مکرہ یہ طلاق اس لئے دے رہا ہے اس کے سامنے دو مصیبتیں ہیں اور اس نے ان میں سے جو ہلکی مصیبت ہے اس کو اختیار کیا اور یہ قصد واختیار کی علامت ہے، البتہ وہ اپنے اس فیصلہ سے راضی نہیں ہے اور راضی نہ ہونا حکم کے نفاذ میں اثر انداز نہیں ہوگا اور یہ ایسا ہی ہے جیسے کوئی تفریح و مذاق میں اپنی بیوی کو طلاق دے دے تو وہ نافذ ہو جاتی ہے گو کہ وہ راضی نہ ہو) ھدایہ ۳۵۸/۲

اس مسئلہ میں امام ابوحنیفہؒ اور صاحبین میں اتفاق رائے پایا جاتا ہے لیکن امام مالکؒ اور امام شافعیؒ اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک طلاق مکرہ واقع

نہیں ہوتی۔ مالکیہ کی کتاب شرح الخرشی میں صراحت ہے: "امامن اکرہ علی الطلاق فلا یلزمهٔ شیئ" شرح الخرشی ۱۸٤/۳۔

شوافع کی مستند کتاب مغنی المحتاج میں ہے:"ولا یقع طلاق مکرہ" مغنی المحتاج ۲۸۹/۳۔

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں: ''ومن اکرہ علی الطلاق لم یلزمہ" المغنی ۲۵۹/۸

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ مکرہ (شخص مجبور) کی دی ہوئی طلاق حنفیہ کے نزدیک واقع ہوجائے گی لیکن ائمہ ثلاثہ کے نزدیک طلاق واقع نہیں ہوگی۔ البتہ مالکیہ اور حنابلہ کے یہاں یہ تفصیل بھی ملتی ہے کہ امام مالک اور امام احمد بن حنبلؒ نے یہ شرط بھی لگائی ہے کہ طلاق مکرہ اس صورت میں واقع نہیں ہوگی جبکہ شخص مجبور پر اکراہ ناحق ہو لیکن اگر طلاق سے کوئی شرعی حق متعلق ہو اور اس وجہ سے اس پر جبر کیا گیا تو ایسی صورت میں طلاق مکرہ واقع ہوجائے گی، مثلاً ایک شخص نے اپنی زوجہ سے ایلاء کیا اور اس کی مدت انتظار گزر گئی شرعاً شوہر کو طلاق دینی چاہیئے لیکن اگر وہ طلاق نہیں دیتا اور ایسی صورت میں حاکم نے اس شوہر پر جبر کر کے طلاق دلوائی تو طلاق واقع ہوجائے گی جیسا کہ ابن قدامہ المقدسی نے المغنی ۱۱۸/۷ میں اس کو بیان کیا ہے۔

مکرہ کا اقرار طلاق:

تاہم تمام فقہاء اس بارے میں متفق ہیں کہ مکرہ کا اقرار طلاق (کہ اس شخص نے اپنی بیوی کو طلاق دی ہے) خواہ زبانی ہو یا تحریری جو بالجبر حاصل کیا گیا ہو غیر نافذ ہوگا کیونکہ فی الحقیقت اس نے اپنی بیوی کو طلاق نہیں دی ہے جبکہ وہ جبر کے زیر اثر ایک غلط بات کہہ رہا ہے۔ علامہ ابن نجیم مصری نے بحرالرائق میں لکھا ہے کہ اس صورت میں عدم وقوع طلاق دیانۃً یعنی مابین بندہ اور اس کے خدا ہوگا لیکن قضاء واقع ہونے کا حکم دیا جائے گا۔ بحرالرائق ۲۶۴/۳۔

بالاکراہ تحریری طلاق:

ہمارے ملک میں بسا اوقات بعض سنگین حالات میں عورت اور اس کے گھر والے عورت کے شوہر سے بالجبر تحریری طور پر طلاق حاصل کرتے ہیں، اس سلسلہ میں مختلف قسم کے دباؤ سے کام لیتے ہیں جو جبر واکراہ کے درجہ میں ہوتا ہے کیا اس سے طلاق واقع ہوگی یا نہیں؟ اس بارے میں بھی تمام ائمہ فقہ اس پر متفق ہیں کہ جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے وہ واقع نہیں ہوگی، جیسا کہ علامہ ابن عابدین شامی اور ابن نجیم مصری نے صراحت کی ہے۔ ردالمحتار علی الدرالمختار ۴۳۲/۲، بحرالرائق ۲۶۴/۳۔

ان حضرات ائمہ کی دلیل یہ ہے کہ تحریری طلاق زبانی طلاق کے مقابلہ میں ضرورۃً جائز ہے، اور چونکہ یہاں ضرورت نہ تھی اس لئے طلاق جائز نہیں۔ جب فقہاء کے نزدیک بلا ضرورت تحریر سے طلاق واقع نہیں ہوتی ہے تو جو طلاق جبراً تحریر کرائی جائے تو وہ بدرجہ اولیٰ واقع نہ ہوگی۔ اسی زمرہ میں وہ صورت بھی آئے گی جب کہ عورت کے شوہر سے تحریر شدہ طلاق نامہ پر جبراً دستخط کرایا جائے۔

محل طلاق:

طلاق دینے کے لئے جس طرح یہ ضروری ہے کہ مرد طلاق کا اہل ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ جس عورت کو طلاق دی جائے وہ طلاق کی محل ہو یعنی اس پر شرعاً طلاق واقع کی جاسکتی ہو، اس لئے فقہاء نے بطور شرط یہ بات کہی ہے کہ طلاق چونکہ اس رشتہ کو ختم کردینے کا نام ہے جو نکاح کے ذریعہ قائم ہوتا ہے اس لئے عورت کا محل طلاق ہونے کے لئے ضروری ہے کہ وہ طلاق دینے والے کی منکوحہ ہو یا طلاق رجعی یا ایک یا دو طلاق بائن کی عدت میں ہو یہی وجہ ہے کہ اجنبی عورت یا وہ مطلقہ جس کی عدت ختم ہوچکی ہو یا مطلقہ مغلظہ طلاق کا محل نہیں ہے، اور انہیں طلاق دینے سے واقع نہیں ہوگی، (الفقہ الاسلامی وادلتہ ج ۶۸۸۸/۷)

لیکن عورت پر طلاق واقع ہونے کے لئے اس کا اس طرح عاقل و بالغ ہونا شرط نہیں ہے، جس طرح مرد کی اہلیت طلاق کے لئے بلوغ اور عقل

شرط ہے، لہذا اگر زوجہ نابالغ یا مجنون ہونے کی حالت میں ہو تو اس صورت میں بھی طلاق دی جاسکتی ہے، اور دینے سے واقع بھی ہو جائے گی،

یہاں یہ بات قابل لحاظ ہے کہ اہلیت طلاق کے متعلق مرد وعورت کے درمیان فرق کیا گیا ہے، کیونکہ طلاق مرد کے قول وفعل سے واقع کی جاتی ہے جس کے لئے عاقل اور بالغ ہونا ضروری ہے۔ اور عورت خود طلاق دیتی نہیں بلکہ اس پر واقع کی جاتی ہے اور واقع ہونے کے لئے عقل وبلوغ شرط نہیں ہے، البتہ تفویض طلاق کی صورت میں عورت اگر خود طلاق دے تو عورت چونکہ اس فعل میں خود مختار ہوتی ہے ایسی صورت میں عورت کا عاقل و بالغ ہونا ضروری ہے۔

شہادت طلاق:

طلاق دینے کے لئے کیا شہادت یعنی دو مسلم مرد گواہوں کا ہونا ضروری ہے یا بغیر شہادت کے بھی طلاق واقع ہو جاتی ہے؟ یہ سوال موجودہ دور میں دو وجہوں سے اہم ہو جاتا ہے ایک تو عصر حاضر میں اسلام کے عائلی قانون پر جانب دارانہ مطالعہ کرنے والوں اور نظام وطلاق پر بے تنقید کرنے والوں کی وجہ سے دوسری خود طلاق دینے والوں کی ناواقفیت اور اس سے زیادہ ان کی دینی کمزوری کی وجہ سے۔ یہ چیز بار ہا دیکھی جاتی ہے کہ بعض لوگ اپنے مفاد کی خاطر بیوی کو واقف کرائے بغیر اچانک طلاق نامہ بذریعہ عدالت بھیج دیتے ہیں جس سے فریق مخالف (عورت) کا مفاد متاثر ہوتا ہے اور اس صورتحال سے دوچار فریق شہادت کا مطالبہ کرتا ہے، دوسری طرف اس قسم کے واقعات سے اسلامی شریعت سے پرخاش رکھنے والے ناجائز فائدے اٹھاتے رہتے ہیں۔ اس پس منظر میں یہ پہلو قابل توجہ ہو جاتا ہے کہ کیا نکاح کی طرح طلاق کے لئے بھی شہادت ضروری ہے یا نہیں؟

اس بارے میں شرع اسلامی کا رخ یہ ہے کہ طلاق واقع کرنے کے لئے شہادت نکاح کی طرح شرط یا وجوب کا درجہ نہیں رکھتی بلکہ اس کی حیثیت استحباب کی ہے، چنانچہ قرآن حکیم میں جہاں اللہ تعالیٰ نے طلاق کے احکام بیان فرمائے ہیں وہیں اس ضمن میں یہ آیت بھی آتی ہے: " وأشهدوا ذوی عدلٍ منكم و أقيموا الشهادة لله " (سورۃ الطلاق:۲)۔ (اور گواہ بنالو اپنے میں سے دو صاحبان عقل کو اور قائم کرو شہادت اللہ کے واسطہ)۔ اس آیت کے بارے میں جمہور مفسرین کی رائے ہے کہ طلاق اور رجعت دونوں موقعوں پر شہادت کا حکم دیا گیا ہے اور یہ حکم استحبابی درجہ کا ہے جیسا کہ صاحب تفسیر کبیر امام رازی اور امام قرطبی صاحب جامع احکام القرآن اور صاحب تفسیر ابن کثیر وغیرہ نے لکھا ہے۔ آثار صحابہ و تابعین سے بھی یہی معلوم ہوتا ہے، ابن ماجہؒ نے اپنی سنن میں یہ روایت نقل فرمائی ہے:

حضرت عمران بن الحصین سے ایک شخص کے بارے میں دریافت کیا گیا جس نے اپنی زوجہ کو طلاق دی تھی پھر اس سے رجوع کیا اور اس کی طلاق کوئی شہادت قائم نہ کی اور نہ ہی اس کی رجعت پر، پس حضرت عمران نے اس شخص سے کہا کہ تم نے خلاف سنت طلاق دی اور خلاف سنت رجوع کیا، اس کی طلاق اور رجعت پر شہادت قائم کرو۔

" عن عمران بن الحصين سئل عن رجل يطلق امراتهٗ ثم يقع بها ولم يشهد على طلاقها ولا على رجعتها فقال عمران : طلت بغير سنة وراجعت بغير سنة ، اشهد على طلاقها وعلى رجعتها " (سنن ابن ماجہ ص/۱۴۶)۔

اس روایت کے پیش نظر تمام ائمہ وفقہاء اہل سنت والجماعت متفق ہیں طلاق ورجعت میں شہادت سنت اور مستحب ہے۔

البتہ اصحاب ظواہر اور فقہاء شیعہ میں جعفریہ ایقاع طلاق کے لئے طلاق دیتے وقت دو عادل گواہوں کی موجودگی کو ضروری اور شرط قرار دیا ہے۔

موجودہ دور کے حالات اور واقعات کے پیش نظر جو سوالات پیدا ہوتے ہیں اس کا جائزہ لے کر مشہور اسلامی قانون داں ڈاکٹر تنزیل الرحمٰن نے بہت ہی نکتہ کی بات کہی ہے اور تشفی بخش جواب بھی دیا ہے:

''اصل شہادت طلاق اگر نزاع و انکار کی دلیل کے سبب واجب قرار دی جائے اور اس کو قانون طلاق کا ایک جزء تسلیم کیا جائے تو شہادت کے لزوم

کو دوسرے معاملات انقطاع معاہدہ سے متعلق بھی ایک جزء اصلی کی حیثیت سے تسلیم کرنا پڑے گا جبکہ انقطاع معاہدہ کے شہادت کسی کے نزدیک شرط نہیں دعویٰ کے اثبات کے لئے ہے بجزء چند اسقتائی صورتوں کے شہادت ایک قاعدہ (Procedure) کی حیثیت سے تسلیم کی جاتی ہے نہ کہ اصل قانون (Substantive) کی حیثیت میں اس کے ایک جزء اصلی کے طور پر۔ مجموعہ قوانین اسلامی جلد دوم ص ۳۹۱،۳۹۲ دفعہ نمبر ۱۰۱۔

مذکورہ تفصیلات سے یہ امر واضح ہوتا ہے کہ طلاق واقع کرنے کے لئے شہادت کی حیثیت شرط یا واجب نہیں ہے بلکہ زیادہ سے زیادہ سنت اور مستحب ہے اور بلا شبہ بعض واقعات میں اس کی لحاظ معاملہ کو سلجھانے میں بے حد مفید ہے۔

اقسام طلاق:

طلاق کی مختلف اعتبار سے مختلف قسمیں ہیں، ذیل میں ہم ان تمام قسموں کو درج کرر ہے ہیں:

(الف) باعتبار کیفیت طلاق کی قسمیں:

کیفیت کے اعتبار سے طلاق کی دو قسمیں ہیں: (۱) طلاق سنت یا مسنون (۲) طلاق بدعی یا غیر مسنون

(ب) باعتبار تاثیر طلاق کی قسمیں:

باعتبار تاثیر اس کی تین قسمیں ہیں: (۱) طلاق رجعی (۲) طلاق بائن صغری (۳) طلاق مغلظہ یا بائن کبریٰ۔

تفصیل: ہر ایک کی تفصیل ذیل میں ملاحظہ کریں:

(۱) طلاق سنت یا مسنون: طلاق سنت کا مطلب یہ ہے کہ اس طریقے سے دی جائے جس طرح حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے دینے کی ہدایت فرمائی یہاں سنت یا مسنون کا مطلب یہ نہیں ہے کہ طلاق دینا مسنون اور کار ثواب ہے، بلکہ طلاق دینا نہ موجب عبادت ہے اور نہ ہی باعث ثواب۔ بلکہ جس طریقہ طلاق کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام نے پسند فرمایا ہے اس کے لئے سنت کی تعبیر اختیار کی گئی ہے۔

(۲) طلاق بدعی: اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے ہوئے طریقہ کے خلاف طلاق دی گئی تو وہ طلاق بدعی یا غیر مسنون کہی جائے گی اور یہ طریقہ طلاق موجب گناہ ہوگا۔

ابن نجیم مصری لکھتے ہیں:

طلاق سنت کی اقسام:

احناف کے نزدیک طلاق سنت دینے کے دو طریقے ہیں، اس لحاظ سے اس کی دو قسمیں ہیں: بدائع الصنائع ۸۸/۳

(۱) طلاق احسن (۲) طلاق حسن

(۱) طلاق احسن (طلاق احسن وقت کے اعتبار سے طلاق سنت کی پہلی قسم ہے)

طلاق احسن یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر (حیض سے پاک ہوجانے کے بعد کا زمانہ) میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو اور نہ کوئی طلاق دی ہو اور نہ اس طہر سے قبل حیض میں طلاق دی ہو ایک طلاق رجعی دے، پھر اس کو چھوڑ دے، یہاں تک کہ اس کی عدت گذر جائے یا اگر حاملہ ہو تو وضع حمل ہوجائے۔صاحب بدائع الصنائع امام کاسانیؒ فرماتے ہیں:

"أحسن الطلاق ذوات القرء أن يطلقها طلقة واحدة رجعية في طهر لا جماع فيه ولا طلاق ولا في حيضةطلاق ولا جماع ويتركها حتى تنقضي عدتها ثلاث حيضات" وان كانت حرة أمة حيضتان (بدائع الصنائع جلد٤/١٨٦)

علامہ کاسانیؒ نے یہ بھی صراحت کی ہے کہ طلاق احسن کی بنیاد ابراہیم نخعیؒ کی اس روایت پر ہے کہ صحابہ کرام اس طلاق کو پسند فرماتے تھے کہ عورت کو

ایک طلاق دی جائے پھر اس کو چھوڑ دیا جائے یہاں تک کہ تین حیض آ جائیں۔

والأصل فيه ماروى عن ابراهيم النخعى أنه قال كان أصحاب رسول الله صلى الله عليه وسلم يستحسنون على أن لا يطلقوا للسنة الا واحدة ثم لا يطلق غير ذلك حتى تنقضى العدة، (بدائع الصنائع ١٨٦/٤)۔

علّامہ زیلعیؒ کی " الدراية فى تخريج احاديث الهداية" میں مزید صراحت ہے:

"روى أن الصحابة كانوا يستحبون أن لا يزيدوا فى الطلاق علىٰ واحدة حتى تنقضى العدة ابن أبى شبيه باسناد صحيح عن ابراهيم كانوا يستحبون أن يطلقها واحدة ثم يتركها حتى تحيض ثلاث حيض " (الدراية فى تخريج احاديث الهداية علىٰ هامش الهداية ٢ / ٣٥٤)۔

(۲) طلاق حسن:

طلاق سنت کی دوسری قسم طلاق حسن ہے، اور وہ یہ ہے کہ شوہر اپنی زوجہ مدخولہ کو ایسے طہر میں جس میں اس سے صحبت نہ کی ہو ایک رجعی طلاق دے۔ پھر دوسرے طہر میں دوسری اور تیسرے طہر میں تیسری طلاق دے۔ اس حساب سے تین الگ الگ طہر میں تین طلاقیں مکمل ہوں گی۔

امام کاسانیؒ کی عبارت ہے:

وامّا فى الحرة التى هى ذات القرء أن يطلقها ثلاثا فى ثلاثة أطهار لا جماع فيها (بدائع الصنائع ١٨٧/٤)

طلاق حسن کے سلسلہ میں امام مالک کا نظریہ:

عام طور پر فقہاء نے تین طہر میں تین طلاقوں کو حسن کہا ہے اور طلاق احسن اور حسن دونوں کو سنت کے دائرہ میں رکھا ہے، لیکن امام مالکؒ نے اس سے اختلاف کیا ہے، اور فرمایا ہے کہ ہر طہر میں ایک ایک طلاق دینا طلاق سنت کے دائرہ میں نہیں آتا بلکہ یہ طلاق بدعت میں داخل ہے، طلاق سنت صرف یہی ہے کہ شوہر ایک طلاق دے، کیونکہ طلاق اصلاً ممنوع ہے اور صرف ضرورت کی بنا پر عورت سے چھٹکارا پانے کے لئے جائز کی گئی ہے اور یہ مقصد ایک طلاق سے پورا ہو جاتا ہے، چنانچہ ان کے نزدیک سنت طلاق اس طرح ہوگی کہ شوہر اپنی بیوی کو ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو ایک طلاق رجعی دے اور عورت کو تین حیض کی عدت گزرنے تک چھوڑ دیا جائے اور اس دوران مزید کوئی طلاق نہ دی جائے، امام مالک نے یہ بھی صراحت فرمائی ہے کہ سنت طلاق کے لئے ضروری ہے کہ عدت کے اندر دوسری طلاق نہ دی جائے، کیوں کہ دوسرے اور تیسرے طہر میں دوسری اور تیسری طلاق بلا حاجت ہونے کے سبب مکروہ ہے اسی طرح ان کے نزدیک ایک ساتھ تین طلاقوں کا دینا بھی مکروہ ہے اور خلاف سنت ہے، امام کاسانیؒ لکھتے ہیں: "وقال مالك لا أعرف طلاق السنة الا أن يطلقها واحدة ويتركها حتى تنقضى عدتها"

"وجه قوله أن الطلاق المسنون هو الطلاق لحاجة والحاجة تندفع بالطلقة الواحدة فكانت الثانية والثالثة فى الطهر الثانى والثالث تطليقاً من غيرحاجة فيكره لهذا اكره الجمع كذا التفريق اذ كل ذلك طلاق من غير حاجة " (بدائع الصنائع ٤ / ١٨٧

طلاق حسن کے طلاق سنت ہونے کے بارے میں احناف کی دلیل:

طلاق احسن کے طلاق سنت ہونے میں ائمہ فقہ کے درمیان کوئی اختلاف نہیں ہے، البتہ طلاق حسن کے طلاق سنت ہونے میں امام مالک کا اختلاف پایا جاتا ہے جیسا کہ اوپر اختلاف اور ان کی دلیل ذکر کی گئی ہے۔ احناف اور جمہور فقہاء نے سورۃ طلاق کی اس آیت "فطلقوا هن لعدتهن" کو اپنی دلیل کی بنیاد بنایا ہے، اور یہ وضاحت فرمائی ہے کہ آیت کا مفہوم یہ ہے کہ طلاق عدت کے واسطہ ہے، یعنی تین طہروں میں تین طلاقیں دی جائیں، احناف اس آیت کی تفسیر میں حضرت عبداللہ ابن عمر کا واقعہ بطور استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حیض کی حالت میں طلاق دی، اس

بارے میں حضرت عمرؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے کچھ غصہ کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا کہ عبداللہ نے سنت کی خلاف ورزی کی ہے جیسا کہ تمہارے رب نے حکم دیا ہے۔ پھر آپ نے فرمایا: "من السنة أن تستقبل الطهر استقبالاً فتطلقها لكل طهر تطليقة فتلك العدة التي أمر الله تعالىٰ أن يطلق لها النساء" یعنی مسنون طلاق اس طرح ہوتی ہے کہ تم ہر طہر میں ایک طلاق دو۔ علامہ کاسانیؒ نے احناف کی اس دلیل کو اپنی کتاب بدائع الصنائع ۴/۸۸امیں قدرے تفصیل کے بیان فرمایا ہے،

امام شافعیؒ کا نظریہ:

یہاں یہ بیان کرنا فائدہ سے خالی نہیں کہ امام شافعیؒ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں بھی سنت طلاق ہیں جبکہ احناف اور امام مالکؒ کے نزدیک بیک وقت تین طلاقیں سنت نہیں کہلائی جاسکتیں۔ امام شافعیؒ حدیث ملاعنہ سے استدلال کرتے ہیں کہ عویمر بن اشقر العجلانی نے اپنی بیوی کو لعان کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بیک وقت تین طلاقیں دیں۔ اگر تین طلاقیں سنت نہ ہوتیں تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت خاموش نہ رہتے بلکہ اسی وقت عویمر العجلانی سے فرماتے کہ طلاق دینے کا یہ طریقہ درست نہیں۔ امام ابن رشد مالکی نے یہ رائے بدایۃ المجتہد میں ذکر کی ہے، لیکن علامہ کاسانیؒ اپنی کتاب بدائع الصنائع میں ذکر کرتے ہیں کہ امام شافعیؒ بیک وقت تین طلاقوں کو نہ طلاق سنت کہتے ہیں اور نہ ہی بدعت بلکہ مباح خیال کرتے ہیں، موصوف لکھتے ہیں: قال الشافعیؒ لا اعرف فی عدد الطلاق سنة ولا بدعة بل مباح ، (بدائع الصنائع ٤ / ١٨٩)۔

طلاق بدعی اور اس کی اقسام:

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے طلاق کا جو طریقہ بتایا ہے اس کے خلاف طریقہ پر طلاق دی جائے تو وہ طلاق بدعی کہلاتی ہے، جس کو غیر مسنون طلاق بھی کہتے ہیں۔ اور یہ باعث گناہ ہے۔ اس کی دو قسمیں ہیں۔ (۱) باعتبار وقت (۲) باعتبار تعداد

(۱) باعتبار وقت: اگر ایسے وقت میں طلاق رجعی دی جائے جس میں عورت کو حیض آرہا ہو تو ایسی طلاق بدعی کہلائے گی۔ ایسی صورت میں مرد کو چاہئے کہ وہ رجوع کرے۔ علامہ برہان الدین مرغینانیؒ اپنی مشہور کتاب ہدایہ میں لکھتے ہیں کہ جو طلاق حالت حیض میں دی جائے اس میں رجوع واجب ہے تاکہ امر کے حقیقی معنی یعنی وجوب پر عمل ہو جائے اور حتی الامکان گناہ سے بچا جاسکے۔ اور عورت کو بھی طویل عدت سے ضرر نہ پہونچے۔ والاصح أنه واجب عملاً بحقيقة الامر ورفعاً للمعصية بالقدر الممكن برفع اثره وهى العدة ودفعاً لضرر تطويل العدة۔ (هدايه ٢/ ٣٥٧)۔

اس وجوب کا ثبوت اس روایت سے ملتا ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی اور اس بارے میں حضرت عمرؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا تو آپ نے حضرت عمرؓ سے فرمایا: اپنے بیٹے (عبداللہ) کو حکم دو کہ وہ رجوع کرے:

"مر ابنك فليراجعها وقد طلقها فى حالة الحيض" "عن عبد الله بن عمرؓ أنه طلق امرأته وهى حائض فى عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال مرهٔ فليراجعها"(مؤطا لامام محمد باب طلاق السنة ص ٢٥٠)۔

یہ روایت صحیحین ودیگر کتب صحاح میں بھی موجود ہے۔ حیض کی حالت میں طلاق دینا اس مصلحت کی بنا پر غیر مسنون ہے کہ اس وقت مرد کو عورت کی جانب طبعاً رغبت نہیں ہوتی، علاوہ ازیں اس میں عدت کا زمانہ بڑھ جاتا ہے کیوں کہ جس حیض میں طلاق دی جاتی ہے وہ حیض عدت میں شمار نہیں ہوتا اور عورت کو بے جا زحمت اٹھانی پڑتی ہے۔ امام کاسانیؒ اس حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے فرماتے ہیں:

"ولأن فيه تطويل العدة عليها لأن الحيضة التى صادفها الطلاق فيه محسوبة من العدة فتطول العدة عليها وذلك اضرار بها ولان الطلاق للحاجة وهو فى زمان كمال الرغبة وزمان الحيض زمان النفرة فلا يكون الاقدام عليه (الطلاق) دليل الحاجة الىٰ الطلاق فلا يكون الطلاق فيه سنة بل سفهاً" (بدائع الصنائع ٣ / ٩٤)۔

اسی طرح وقت کے اعتبار سے وہ طلاق بھی غیر مسنون اور بدعی کہلائے گی جبکہ مرد اپنی بیوی کو ایسے طہر میں (زمانہ پاکی میں) طلاق دے جس میں وہ اپنی بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔ایسی طلاق اس بنا پر خلاف سنت ہے کہ ممکن ہے کہ عورت حاملہ ہو جائے جس کے سبب عورت کو زیادہ عرصہ (وضع حمل تک) عدت گذارنا پڑے۔دکتور عبدالکریم زیدان اس کی حکمت پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

”الحكمة فی ذلك أنه اذا جامعها وهی طاهر، فلا يأمن الزوج من أنها قد حبلت بهذا الجماع فاذا طلقها ثم استبان حملها فقد يندم علىٰ ذلك لانهٗ ما كان يقدم على طلاقها لو علم أنها حامل رعايةً لحملها وايضاً طلاقها بعد وطئها مع احتمال حبلها بهذا الوطئة يجعل الزوج والزوجة فی شك من عدتها أتكون بوضع الحمل اذا تبين انها حامل أم تكون عدتها بثلاثة قروء اذا لم تكن حاملاً“ المفصل فی أحكام المرأة للدكتور زيدان ٤٣٧/٧ ـ

طلاق بدعی کی مذکورہ شکلیں خواہ حالت حیض میں دی ہوئی طلاق ہو یا حالت طہر میں لیکن اس میں صحبت کے بعد طلاق دی گئی ہو اگر چہ غیر مسنون اور بدعی ہوں اس کے باوجود ائمہ اربعہ کے نزدیک واقع ہو جائے گی اور اس قسم کی طلاق دینے والا مرد گنہگار ہوگا۔

علامہ کاسانیؒ طلاق بدعی کا حکم ان الفاظ میں لکھتے ہیں:

”واما حكم الطلاق البدعة فهو أنه واقع عند عامة العلماء“ بدائع الصنائع ١٥٣/٣ ـ

ابن قدامہ حنبلیؒ لکھتے ہیں:

”فان طلقها للبدعة وهو أن يطلقها حائضاً أو فی طهر أصابها فيه أثم ووقع طلاقه فی قول عامة اهل العلم“ المغنی ٩٩/٧

صاحب مجمع البحرین نے لکھا ہے کہ حالت حیض میں مدخولہ کو طلاق دینا مکروہ وممنوع ہے جبکہ غیر مدخولہ کو حالت حیض میں طلاق دینا بلا کسی کراہت کے جائز ہے، کیونکہ غیر مدخولہ پر عدت واجب نہیں ہے اور کراہت یا ممانعت عدت طویل ہونے اور عورت کو زحمت میں ڈالنے کی وجہ سے ہے، جس سے غیر مدخولہ کو واسطہ نہیں پڑتا۔مجمع البحرین لابن الساعاتی، کتاب الطلاق ص۹، مجمع الانہر ۳۸۱/۱-۳۸۳

(۲) باعتبار عدد:

ایک طہر میں ایک طلاق دینے کے بجائے ایک ہی طہر میں بیک وقت دو یا تین طلاقیں دینا بدعی طلاق کی تعریف میں داخل ہے، خواہ طلاق ایک ہی کلمہ سے ہو یا متفرق کلمات سے۔جمہور فقہاء کے نزدیک بلفظ واحد یا بوقت واحد تین طلاقیں دینے سے تین طلاقیں واقع ہوں گی اور اس طرح طلاق دینے والا گنہگار ہوگا، یکبارگی طلاق دینے سے اس لئے منع کیا گیا ہے کہ اس طرح طلاق دینے سے منشأ قرآن ”الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان“ کی خلاف ورزی ہوتی ہے، علامہ کاسانیؒ صاحب بدائع الصنائع لکھتے ہیں:

وأما الذی يرجع الى العدد فهو ايقاع الثلاث أو الشنتين فی طهر واحد لا جماع فيه سواء كان على الجمع بان أوقع الثلاث جملة واحدةً أو على التفاريق واحداً بعد واحدٍ، بعد أن كان الكل فی طهر واحد وهذا قول اصحابنا بدائع الصنائع ٢٠٢/٤ ـ مجموعہ قوانین اسلامی از مسلم پرسنل لا بورڈ کے دفعہ ۲۶۶ میں طلاق بدعی کی تمام شکلیں بڑی مختصر اور جامع عبارت میں درج ہیں ذیل میں یہ دفعہ نقل کیا جاتا ہے:

دفعہ (۲٦٦) مدخولہ کو حالت حیض میں طلاق دینا یا ایسے طہر میں طلاق دینا جس میں اس کے ساتھ صحبت کر چکا ہو، یا طلاق بائن دینا یا ایک سے زائد طلاق ایک طہر میں دینا، اسی طرح غیر مدخولہ کو بیک وقت ایک سے زائد طلاق دینا یا نابالغ یا آئسہ کو ایک مہینہ میں ایک سے زائد طلاق دینا، طلاق بدعت ہے۔

آگے دفعہ میں ان تمام شکلوں کی طلاق کا حکم بھی درج ہے:

دفعہ (۲۲۷) طلاق بدعت ممنوع ہے لیکن اگر کسی نے ایسی طلاق دے دی تو واقع ہو جائے گی اور طلاق دینے والا سخت گنہگار ہوگا۔

(ب) طلاق کی قسمیں باعتبار تاثیر:

تاثیر کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں (۱) رجعی (۲) بائن (۳) مغلظہ

(۱) طلاق رجعی:

طلاق رجعی اس طلاق کو کہتے ہیں جس میں شوہر کو دوران عدت بلا تجدید نکاح اپنی بیوی سے رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے اور اگر رجعت نہیں کی تو عدت گذرنے کے بعد فرقت واقع ہو جاتی ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو صریح لفظوں میں ایک یا دو طلاق دے۔ طلاق کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال نہ کرے مثلاً مرد بیوی کی طرف نسبت کرتے ہوئے یوں کہے کہ میں نے تجھے طلاق دی یا طلاق کے ساتھ ایک یا دو کا لفظ بھی استعمال کرے تو یہ طلاق رجعی ہوگی اور مرد عدت کے اندر بیوی سے رجوع کر سکتا ہے خواہ بیوی راضی ہو یا نہ ہو۔ آیت قرآنی: ”الطلاق مرتان فامساك بمعروف أو تسريح باحسان“ میں واضح کر دیا گیا ہے کہ طلاق دو ہی مرتبہ ہے اور ان دونوں مرتبہ میں یہ لچک ہے کہ ان سے نکاح بالکل ختم نہیں ہوتا بلکہ دوران عدت مرد کو اختیار ہے کہ رجوع کر کے بیوی کو اپنے نکاح میں روک لے یا پھر رجوع نہ کرے اور عدت پوری ہونے دے عدت پوری ہوتے ہی نکاح ختم ہو جائے گا۔ ماخوذ معارف القرآن ۱/۵۰۳ احادیث میں حضرت سودہ ام المومنین اور حضرت حفصہؓ کی طلاق رجعی اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے رجوع کا ذکر ملتا ہے جس سے اس مسئلہ میں پوری رہنمائی ملتی ہے۔ فقہاء کرام کی تصریحات بھی موجود ہیں مشہور حنفی فقیہ صاحب ہدایہ علامہ برھان الدین مرغینانیؒ لکھتے ہیں:

واذا طلق الرجل امرأته تطليقة رجعية او تطليقتين فله أن يراجعها فى عدتها رضيت بذلك أو لم ترض .... ولا بد من قيام العدة الخ هدايه ۲/ ۳۷۹

رجعت کا حق:

یہاں یہ واضح کرنا ضروری ہے کہ رجعت کے لئے عورت کی رضامندی ضروری نہیں ہے یہ حق صرف شوہر کو حاصل ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: ”وبعولتهن احق بردهن فى ذلك ان ارادوا اصلاحاً“ سورة البقرة آيت ۲۲۸۔ ترجمہ: ان کے خاوند حق رکھتے ہیں ان کو لوٹا لینے کا اسی مدت میں اگر چاہے سلوک سے رہنا۔ اس قرآنی ہدایت کو سامنے رکھتے ہوئے فقہاء نے صراحت کی ہے کہ عورت کی رضامندی کے بغیر رجعت ہو سکتی ہے۔

رجعت کا طریقہ:

طلاق رجعی میں شوہر کو عدت کے اندر بلا تجدید نکاح رجوع کا حق حاصل ہوتا ہے تو یہ رجوع یا رجعت کا طریقہ کیا ہے؟ اس بارے میں فقہ اسلامی میں جو تفصیلات ہیں ان کا حاصل یہ ہے کہ رجعت عملاً بھی ہو سکتی ہے مثلاً شوہر مطلقہ سے بوس و کنار یا میاں بیوی والا تعلق قائم کر لے اور رجعت قولاً بھی ہوتی ہے مثلاً شوہر کہے کہ میں نے اپنی بیوی کو لوٹا لیا اور اس کی اطلاع بیوی کو دے دی البتہ قولی رجعت گواہوں (دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتوں) کے سامنے بہتر ہے، مجموعہ قوانین اسلامی از مسلم پرسنل لاء دفعہ نمبر ۲۷۲

(۲) طلاق بائن:

طلاق بائن کی دو قسمیں ہیں ایک بائن صغری دوسری بائن کبری جس کو طلاق مغلظہ بھی کہتے ہیں۔

طلاق بائن صغری: طلاق بائن صغری سے ایسی طلاق مراد ہے جس میں فوری طور پر بغیر انقضاء عدت کے فرقت واقع ہو جاتی ہے اور زوجین کے درمیان رشتہ زوجیت منقطع ہو جاتا ہے اور شوہر اپنی بیوی سے دوران عدت رجوع نہیں کر سکتا، البتہ عدت کے بعد اگر فریقین باہم راضی ہو تو از سر نو نکاح کر سکتے ہیں۔ بس اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو ایک یا دو طلاق دے اور اس کے ساتھ بائن کا لفظ استعمال کرے یا طلاق کی نیت کے ساتھ کنائی لفظ یا طلاق کے ساتھ

شدت وتاکید کے الفاظ استعمال کرے تو ان تمام صورتوں میں امام شافعیؒ کے علاوہ مذاھب ثلاثہ کی رو سے اس عورت پر طلاق بائن واقع ہو جائے گی اور مرد عدت کے زمانے میں اپنی بیوی سے رجوع نہیں کرسکتا۔البتہ یہی شوہر عدت میں یا عدت گذارنے کے بعد دونوں باہمی رضامندی سے دوبارہ نکاح کرسکتے ہیں۔ماخوذ از مجموعہ قوانین اسلام دفعہ ۲۷۲-۲۷۳

(۳) طلاق مغلظہ یا بائن کبریٰ:

اگر کوئی شوہر اپنی زوجہ کو بیک وقت ایک کلمہ سے تین طلاق دے یا متفرق کلمات سے تین مرتبہ طلاق کا لفظ کہے تو اسی وقت تین طلاقیں بائن (مغلظہ) ہو جائیں گی اور وہ اپنی زوجہ سے رجوع نہ کرسکے گا۔الا یہ کہ وہ عورت عدت گذرنے کے بعد دوسرے مرد سے نکاح کرے اور اس سے طلاق مل جائے یا نکاح فسخ ہو جائے یا وہ مر جائے تو اس صورت میں عدت ختم ہونے پر فریقین باہمی رضامندی سے نکاح جدید کرسکتے ہیں۔

جمہور صحابہؓ وتابعین وبعد کے فقہاء ومجتہدین ومحدثین کا اب تک یہی مسلک رہا ہے بیک وقت تین طلاق دینے سے تین طلاقیں ہی واقع ہوں گی۔ البتہ بعض حضرات ایک طلاق واقع ہونے کے قائل ہیں،ابن قدامہ المقدسی نے اپنی کتاب المغنی میں ان حضرات میں حضرت عطاء، طاؤس،سعید بن جبیر، ابوالشعشاء اور عمر بن دینار کے اسماء گرامی لکھے ہیں۔اور مشاہیر متأخرین میں امام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد ابن قیم بھی اسی مسلک کے قائل ہیں اور ہر ایک نے اپنے اپنے دلائل پیش کئے ہیں،جمہور فقہاء ومحدثین اور علماء سلف جو ایک ساتھ تین طلاقیں ہونے کے قائل ہیں،اپنے اپنے مسلک کے ثبوت میں متعدد احادیث وآثار صحابہ پیش کرتے ہیں،علماء کرام کی بڑی تعداد نے اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کی ہے اور بڑے قیمتی رسالے بھی تحریر فرمائے ہیں،طوالت سے بچنے کے لئے ہم ان تفصیلات سے گریز کرتے ہیں اور موضوع کو یہیں پر ختم کرتے ہیں۔

اپنی بات

البتہ موجودہ حالات کے پس منظر میں صرف اتنا عرض کرنا چاہتے ہیں کہ ہمارے ہندوستانی مسلم سماج میں تعلیم بالخصوص دینی تعلیم کی کمی کی بنا پر آئے دن ایسے واقعات پیش آتے رہتے ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسلمانوں کے درمیان دینی مسائل میں کمی کے ساتھ غلط فہمیوں کا بھی بڑا اہم رول ہے ۔یہ حقیقت ہے کہ مسلمانوں کا ایک طبقہ اس غلط فہمی کا شکار ہے کہ طلاق اسی وقت واقع ہوتی ہے جبکہ تین بار طلاق کے الفاظ استعمال کئے جائیں، پھر یہ بھی دیکھنے میں آتا ہے کہ میاں بیوی دونوں جلد ہی ایک ساتھ ازدواجی زندگی گذارنے کے لئے دارالافتاء سے رجوع کرتے ہیں اور جب تین طلاق دینے پر انہیں حرام ہونے کا علم ہوتا ہے تو دونوں واویلا مچاتے ہیں اور جواز کی کوئی راہ نکالنے کے لئے مفتیان کرام سے کبھی درخواست کرتے ہیں اور کبھی دباؤ ڈالتے رہتے ہیں،اور حلالہ جیسے قبیح عمل سے بچنے کے لئے کذب بیانی میں کوئی دریغ محسوس نہیں کرتے اور مختلف حیلے بہانے تلاش کرتے ہیں جو بذات خود ایک سنگین معاملہ ہے۔

دوسری طرف موجودہ حکومت ہند نے طلاق ثلاثہ بل لاکر جو قانون نافذ کردیا ہے اس نے مسلم سماج میں جہاں تشویش کی لہر پیدا کردی ہے وہیں کمزور دین وعقیدہ رکھنے والے مسلمانوں میں جو اس مسئلہ سے دوچار ہیں، دین وشریعت کو نظر انداز کرتے ہوئے دروغ گوئی سے اپنا مسئلہ حل کرنے میں کوئی جھجھک محسوس نہیں کرتے اس صورت حال کو سامنے رکھ کر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء نے جہاں قانونی لڑائی قابل ستائش جدوجہد کی ہے وہیں بورڈ سے مرتب ہونے والی کتاب میں ایک دفعہ درج کرکے اس مسئلہ کے حل میں مفتیان کرام اور قانون داں حضرات کے لئے غور وفکر اور رہنمائی کا ایک گوشہ قائم کردیا ہے،مجموعہ قوانین اسلامی کی دفعہ ۲۷۸ کی یہ عبارت ملاحظہ ہو:

اور اگر طلاق دینے والا یہ کہتا ہے کہ اس کی نیت ایک ہی طلاق کی تھی اور اس نے محض زور پیدا کرنے کے لئے الفاظ دہرائے ہیں،اس کا مقصد ایک سے زائد طلاق دینے کا نہیں تھا۔تو اس کا یہ بیان حلف کے ساتھ تسلیم کیا جائے گا اور ایک ہی طلاق واقع ہوگی،اور طلاق دینے والا یہ کہتا ہے کہ اس کی کچھ بھی

نیت نہیں تھی نہ ایک ہی اور نہ دو تین کی تو دیکھا جائے گا عرف میں ایسے مواقع پر تاکیداً الفاظ دہرانے کا رواج ہے یا نہیں، اگر عرف غالب یہ ہو کہ ایسے موقع پر لوگ محض کلام میں زور پیدا کرنے کے لئے بار بار اسی لفظ کو دہراتے ہیں، تو عرف کی تقاضوں کی رعایت کرتے ہوئے الفاظ کی تکرار کو تاکید پر محمول کر کے ایک ہی طلاق واقع ہو جائے گی۔ لیکن اگر عرف ایسا نہ ہو بلکہ الفاظ کی تکرار نیا معنی پیدا کرنے کے لئے معروف ومروج ہو تو ایسی صورت میں ہر لفظ طلاق کو مستقل طلاق پر محمول کیا جائے گا۔ دفعہ ۲۷۸ مجموعہ قوانین اسلامی آل انڈیا مسلم پرسنل لاء۔

ناچیز کے نزدیک مستند اہل فقہ وفتاوی کی طرف سے مرتب کردہ مجموعہ قوانین کے مذکورہ دفعہ کو سامنے رکھ کر ارباب افتاء مستفتی کے حال اور حالات کی نزاکت کے پیش نظر فتویٰ دیں تو بہت سے پیچیدہ مسائل حل ہو سکتے ہیں اور مبتلا بہ افراد کے لئے دین سے دوری اور لاپرواہی کے بجائے دین سے قربت اور شریعت کی طرف رغبت کی فضاء پیدا کی جاسکتی ہے۔ هذا ما عندی والله اعلم باالصواب۔